34/16/36

(1153)

جنوری ٦

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

• امریکی معاشرے کے نئے رجحانات

امیر تنظیم اسلامی کے خطابِ جمعہ کی دوسری قسط

• اسلام کا معاشرتی نظام — ڈاکٹر عبدالسمیع

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی پاکستان

سال ۱۹۹۶ء کے دوران مجوزہ پروگرام

تربیت گاہیں

۱۔ مبتدی/ملتزم ۵ تا ۱۱ جنوری، کراچی
۲۔ ملتزم ۸ تا ۱۴ مارچ، لاہور
۳۔ مبتدی ۱۹ تا ۲۵ اپریل، لاہور
۴۔ ملتزم ۲۴ تا ۳۰ مئی، پنجاب شمالی
۵۔ مبتدی ۱۴ تا ۲۰ جون، لاہور
۶۔ ملتزم ۵ تا ۱۱ جولائی، لاہور
۷۔ مبتدی/ملتزم ۹ تا ۱۵/اگست، ملتان
۸۔ مبتدی ۶ تا ۱۲/ستمبر، لاہور

خصوصی مشاورتی/تربیتی پروگرام بمقام لاہور

☆ مشاورتی و تربیتی پروگرام برائے ملتزم رفقاء ۵ تا ۹ اپریل
☆ تربیتی پروگرام برائے ذمہ دار رفقاء ۱۰ تا ۱۱ اپریل

علاقائی اجتماعات

☆ ۱۵ مارچ، حلقہ سندھ و بلوچستان
☆ ۲۲ مارچ، حلقہ لاہور ڈویژن
☆ ۲۶ اپریل، حلقہ پنجاب غربی
☆ ۲۴ مئی، حلقہ آزاد کشمیر
☆ ۳۱ مئی، حلقہ پنجاب شمالی
☆ ۶ ستمبر، حلقہ سرحد

اجلاس مرکزی مجلس مشاورت

☆ ۲۰-۲۱ مارچ
☆ ۲۴-۲۵ جولائی

☆ اجلاس توسیعی مشاورت۔لاہور، ۲۱-۲۲ جولائی

☆ سالانہ اجتماع---اسلام آباد، ۴ تا ۶/اکتوبر

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۵
شمارہ: ۱
شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ
جنوری ۱۹۹۶ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-

سہ ماہی میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 امریکی ڈالر
- سعودی عرب، کویت، بحرین، عرب امارات قطر، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان 17 امریکی ڈالر
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵
امریکی معاشرے کے نئے رجحانات اور تارکین وطن کے لئے لمحہ فکریہ (۲)
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ احوال و ظروف ——— ۲۰
موجودہ ملکی و ملی حالات کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

☆ استقبال رمضان ——— ۲۲
روزہ اور تراویح -- غرض و غایت
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآنی سے ماخوذ

☆ اسلام کا معاشرتی نظام ——— ۲۹
ڈاکٹر عبدالسمیع

☆ کتابیات ——— ۴۵
نفاق کی نشانیاں (۱) مترجم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

☆ حسن انتخاب ——— ۵۵
قتل مرتد۔ عقلی جواز
مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی نگارشات

☆ تذکیر و موعظت ——— ۷۴
چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے محمد سمیع

☆ افکار و آراء ——— ۷۷
شاکلہ نجیب صدیقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

عیسوی کیلنڈر کے اعتبار سے سال نو کا آغاز ہو چکا ہے۔ سال ۱۹۹۵ء کے ۳۶۵ دن تمام ہوئے اور آج صبح جب سورج نے اپنی کرنیں بکھیرنی شروع کیں تو یہ ۱۹۹۶ء کا پہلا دن شمار کیا گیا۔ تاہم اہل پاکستان کے لئے زبوں حالی اور ذلت و رسوائی کی سیاہ رات ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کی تیرگی ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ ہم برس ہا برس سے افراد قوم کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور وقت نے اس بات کو اب ثابت بھی کر دیا ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کا استحکام صرف اور صرف اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس ملک کی تقدیر نفاذ اسلام' اور وہ بھی محض دکھاوے کا نہیں' حقیقی معنوں میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے ساتھ مشروط و معلق ہے۔ بحالی جمہوریت کے معاملہ کو بھی ہم نے محض ایک عارضی سہارے سے زیادہ حیثیت کبھی نہیں دی تھی اور اسی اعتبار سے مارشل لاء کے مقابلے میں اس کی تائید ہماری مستقل پالیسی رہی کہ مارشل لاء کا برقرار رہنا ملک کی سالمیت کے لئے سنگین خطرہ تھا۔ اب گزشتہ سات آٹھ برس سے پاکستانی قوم مختلف جمہوری تجربوں کا مشق ستم بنی ہوئی ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ مظلوم قوم ملک کی دونوں بڑی سیاسی پارٹیوں کی تشکیل کردہ "جمہوری حکومتوں" کی زخم خوردہ ہے۔ اور قوم حیران ہے کہ "اب کسے رہنما کرے کوئی"۔ بظاہر احوال صورت یہ ہے کہ کوئی امید بر نہیں آتی۔ گو ہمیں یقین ہے کہ علامہ اقبال کا یہ خواب سچ ثابت ہو گا کہ "شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے" اور "یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے" لیکن اس کے لئے اللہ اور اس کے دین کے وفاداروں کو جاں گسل انقلابی جدوجہد کرنا ہو گی اور کسی "شارٹ کٹ" کو اختیار کر کے منزل تک جلد پہنچنے کی کوشش کی بجائے پوری یکسوئی کے ساتھ دعوت' تنظیم اور تربیت کے مراحل سے گزرنا ہو گا۔ پھر اگر ہم پیہم جدوجہد اور ایثار و قربانی کے ذریعے سے فضائے بدر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو قطار اندر قطار فرشتے آج بھی ہماری نصرت کے لئے گردوں سے ضرور اتریں گے۔ اللھم وفقنا لھذا

☆ ☆ ☆

زیر نظر شمارے میں "اسلام کا معاشرتی نظام" کے عنوان سے ایک وقیع مضمون شامل ہے۔ یہ مضمون ہمارے ایک قابل احترام ساتھی ڈاکٹر عبدالسمیع کا تحریر کردہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف قرآن اکیڈمی کے سابق فیلوز میں سے ہیں۔ آج کل مرکزی انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر بھی ہیں اور تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کے نائب ناظم بھی۔ اگرچہ مضمون زیر بحث میں پیش کردہ بنیادی خیالات' اس موضوع پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطبات و تقاریر سے ماخوذ ہیں' تاہم محترم عبدالسمیع صاحب نے مضمون کے بعض گوشوں سے مزید نکھارا ہے اور بعض نئے پہلوؤں کو اجاگر بھی کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین اس کی افادیت کو بجا طور پر محسوس کریں گے۔ ○○

"ایک عرصہ کے بعد کسی مسلمان عالم کی تعصب سے پاک تحریر پڑھنے کو ملی!"

امیر تنظیم اسلامی کے خطاب بعنوان "پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں..." پر مسیحیوں کے ایک جریدے "کلام حق" کا تبصرہ

"ماہنامہ میثاق' اگست ۹۵ء کے شمارے میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک مضمون "پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں چند گزارشات" شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اپنی طوالت کی وجہ سے شائع تو نہیں کر سکتے۔ مگر جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے جس طرح پاکستانی مسیحیوں کو یہودیت کی سازش سے آگاہ کیا ہے اور مسیحیت اور اسلام کی مشترکہ قدروں کی تفصیل بیان کی وہ قابل ستائش ہے۔ ایک عرصہ کے بعد کسی مسلمان عالم کی تعصب کی آلودگی سے پاک تحریر پڑھنے کو ملی۔ گو توہین رسالت کے مقدمے میں ڈاکٹر صاحب اب بھی سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو بے گناہ نہیں سمجھتے...."

(ماخوذ از : "کلام حق" گوجرانوالہ' اشاعت ستمبر ۹۵ء)

تذکرہ وتبصرہ

امریکی معاشرے کے نئے رجحانات
اور تارکینِ وطن کے لئے لمحۂ فکریہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۳/ اکتوبر ۹۵ء کا خطاب جمعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

لائبریری قرآن اکیڈمی

انتہائی دائیں بازو کی تنظیمیں اور ان کے عزائم

پال فنڈلے اور لنڈن لاروش کے گروپوں کے علاوہ وہاں پر ایک تیسرا عنصر بھی اس ضمن میں بہت اہمیت اختیار کر رہا ہے۔ اور اس کا معاملہ اس اعتبار سے سب سے زیادہ خطرناک اور خوفناک ہے کہ یہ یہودیوں کے خلاف ہونے کے علاوہ مسلمانوں کے بھی قریباً اتنا ہی خلاف ہے۔ مزید بر آں یہ عنصر کالے ایفرو امریکیوں کے بھی خلاف ہے' اگرچہ اس کی شدت کے درجوں میں کچھ فرق ضرور ہے۔ یعنی اس کی شدت سب سے زیادہ یہودیوں کے خلاف' دوسرے نمبر پر مسلمانوں کے خلاف اور تیسرے نمبر پر مقامی ایفرو امریکن کے خلاف ہے' خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان۔ یہ عنصر وہاں کی بعض انتہائی دائیں بازو کی جماعتوں پر مشتمل ہے جس کے لئے وہاں "THE FAR RIGHT" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ان جماعتوں نے امریکہ کی وفاقی حکومت کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی وفاقی حکومت صیہونیوں کے قبضے میں ہے' یہ صرف برائے نام امریکہ کی حکومت ہے' جبکہ حقیقت میں یہ صیہونیوں کی حکومت ہے۔ یہودی اگرچہ پورے امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن اس کی بعض ریاستوں' خاص طور پر امریکہ کے شمال مشرق میں یہ سب سے بڑھ کر آباد ہیں۔ اور انہی علاقوں میں مسلمان بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ امریکی دارالحکومت "نیویارک" کو تو وہاں

کہا ہی "جیو یارک" جاتا ہے۔ گویا یہ تو یہودیوں ہی کا شہر ہے۔ ان علاقوں میں ایک طویل عرصے سے اندر ہی اندر ایک آگ بڑی تیزی سے سلگ رہی تھی' لیکن چند واقعات نے اسے بھڑکا دیا ہے اور اب یہ ایک کھلی جنگ کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اس صورتحال کے بارے میں "یونائیٹڈ سٹیٹس ملیشیا ایسوسی ایشن بلیک فٹ۔ اڈاہو" کے سیموئیل شیرُوڈ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ خانہ جنگی دور نہیں جس میں اڈاہو کے قانون سازوں کو گولی کا نشانہ بننا ہو گا۔ ان کا اپنا کہنا تو یہ ہے کہ ہمارے پانچ لاکھ تربیت یافتہ گوریلے موجود ہیں' لیکن حکومتی ادارے اگرچہ ان کی موجودگی کا اعتراف کرتے ہیں مگر ان کے نزدیک ان سرپھرے دیوانوں کی تعداد لاکھوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے۔

سب سے پہلے ۳۱/ اگست ۱۹۹۲ء کو ریاست اڈاہو (Idaho) میں' جو ان لوگوں کا سب سے بڑا مرکز ہے' ان کا اہم لیڈر رینڈی ویور اپنی بیوی اور چودہ سالہ بیٹے سمیت پولیس کے ساتھ تصادم میں مارا گیا۔ اس واقعے سے یہ آگ کچھ بھڑکی۔ لیکن پھر ۱۹/ اپریل ۹۳ء کو واکو ٹیکساس کا ہولناک واقعہ پیش آیا' جس میں ایف بی آئی نے ڈیوڈ کوریش کے پیروکاروں کے مرکز پر دھاوا بولا۔ ڈیوڈ کوریش دائیں بازو کا بہت نمایاں آدمی تھا جو بہت ابھر کر سامنے آیا تھا اور جس نے ایک مذہبی فرقہ بھی بنا لیا تھا' اس کے خلاف یہودیوں نے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے زبردست پروپیگنڈہ کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر ان کے خلاف ایسی سنگین خونریز کارروائی کی گئی جس کی امریکہ کی تاریخ میں کسی غیر فوجی مہم میں مثال نہیں ملتی۔ ان کے مرکز کو جلا کر راکھ کر دیا گیا جس سے ستر آدمی موقع پر ہی مارے گئے۔ اس پر وہاں بڑا واویلا مچا تھا۔

اس کے بعد سے یہ لوگ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق دہشت گردی میں بہت نمایاں ہو گئے۔ چنانچہ "جواب آں غزل" کے طور پر اپریل ۱۹۹۵ء میں اوکلاہاما کے بم دھماکے اور اکتوبر ۱۹۹۵ء میں ایریزونا میں ریل گاڑی کو پٹڑی سے اتارنے کے واقعات ہوئے ہیں۔ اول الذکر واقعے کے بارے میں پہلے تو یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ مسلمانوں نے کیا ہے اور اس کے رد عمل کے طور پر مسلمانوں کی املاک پر اکا دکا حملے بھی شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ بہت سی مساجد پر حملے ہوئے اور انہیں جلانے کی کوشش کی گئی۔ چھوٹے

شہروں میں مسلمان خاندانوں کی تعداد بہت کم ہے اور اکثر جگہوں پر صرف چار چار یا پانچ پانچ خاندان رہائش پذیر ہیں۔ چنانچہ ایسی جگہوں پر مسلمانوں کے گھروں پر حملے کئے گئے۔ بڑے شہروں میں خاص طور پر شمال مشرقی علاقے میں تو چونکہ مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں لہٰذا وہاں آسانی سے ان کے خلاف کوئی اقدام ممکن نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ جلد ہی بم دھماکوں کے اصل ملزم کا سراغ مل گیا اور مسلمانوں کو اس سے بریٔ الذمہ قرار دے دیا گیا۔ اس اعتبار سے انہیں کسی درجے میں کریڈٹ دینا چاہئے کہ وہاں قانون اور دستور کی بالادستی ہے۔ اوپر کے پیمانے پر سی آئی اے جو کچھ سازشیں کرتی ہے وہ اپنی جگہ' لیکن نچلی سطح پر ان کا اپنا جو ایک نظام ہے اس میں معاملات صحیح طور پر قانون کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی اصل آدمی گرفتار ہوا تو اعلان کر دیا گیا کہ یہ کام کرنے والا کوئی مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ہے۔ تاہم اوکلاہاما کے واقعے کو اس طرح اچھالا نہیں گیا جس طرح ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے معاملے کو اچھالا گیا تھا' جس میں صرف چند آدمی مرے تھے' لیکن اس پر پوری دنیا میں ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا تھا اور اس سلسلے میں عمر عبدالرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کو مجرم بھی قرار دے دیا گیا ہے۔ ذرائع ابلاغ میں اس کا بڑے زور شور سے چرچا کیا گیا۔ لیکن اوکلاہاما کے واقعے کو بالکل دبا دیا گیا جبکہ اس میں دو سو آدمی مرے ہیں اور فیڈرل گورنمنٹ کی ایک بہت بڑی کئی منزلہ بلڈنگ اس طرح تباہ ہوئی ہے کہ اس کی تصاویر دیکھے بغیر اس تباہی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ ان جماعتوں کا "جہاد" بھی دراصل امریکہ کی فیڈرل گورنمنٹ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ Zionist Occupational یعنی صیہونی تسلط میں گرفتار گورنمنٹ ہے۔

مذکورہ بالا حادثات اس بات کو نمایاں کر رہے ہیں کہ وہاں پر حکومت مخالف جذبات کس قدر شدت اختیار کر رہے ہیں۔ سیموئیل شیروڈ کا قول میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ خانہ جنگی شروع ہوا چاہتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

The Federal Government is the "beast" and the sinful rider on this beast is the Jew.

یعنی امریکہ کی وفاقی حکومت خونخوار درندہ ہے اور اس کا گنہگار سوار یہودی ہے۔ یہ بات

درحقیقت یوحنا عارف کے مکاشفے کے حوالے سے کہی گئی ہے۔ بائبل میں "عہد نامہ جدید" کے آخری باب "مکاشفہ" (Revelation) میں مذکور ہے کہ حضرت یوحنا نے ایک بہت خونخوار درندے کو دیکھا جس کے سات سر اور دس سینگ تھے اور اس کے اوپر ایک آبروباختہ بدکار عورت بیٹھی ہوئی تھی (اس مکاشفہ کا تفصیلی حوالہ "عیسائیت اور اسلام" کے ص ۲۳ پر دیا گیا ہے) ان حضرات نے اس مکاشفے کی تقریباً وہی تعبیر کی ہے جو ہم بھی کرتے ہیں بلکہ انہوں نے تو اسے صرف فیڈرل گورنمنٹ کہا ہے جبکہ میرے نزدیک اس درندے کی تمثیل G-7 جیسی قوتوں پر صادق آتی ہے جو اپنی زبردست جنگی صلاحیتوں کی بنا پر ایک خونخوار طاقت بن چکی ہیں اور چاہتی ہیں کہ قوت وطاقت صرف ان ہی کے ہاتھ میں رہے' کسی اور کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود نہ رہے' اس پر ان کی اجارہ داری رہے اور پھر جس طرح جی چاہے دنیا کا نظام چلائیں۔ اور اس "درندے" کے اوپر سوار آبرو باختہ بدکار عورت درحقیقت یہودیت ہے۔

امریکہ میں انتہائی دائیں بازو (The Far Right) کی بہت سی جماعتیں اور گروپ سرگرم عمل ہیں' لیکن ان کا فکر اور آہنگ ایک ہی ہے۔ گویا ع "ہے ایک ہی نغمہ' کہیں اونچا کہیں مدھم"۔ ان کا معاملہ ایسے ہی سمجھنا چاہئے جس طرح عالم اسلام کی احیائی تحریکوں کا معاملہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ جماعتی نظام ہونے کے باوجود ان کی سوچ اور فکر ایک ہی ہے۔ ان تنظیموں اور تحریکوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان کی قیادت زیادہ تر بنیاد پرست عیسائی کر رہے ہیں۔ انکے موجودہ ذہنی و فکری تصورات کی نقشہ کشی میں بائبل کی پیشینگوئیوں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ پیشینگوئیاں آرمیگاڈان اور یہودی مسئلے سے متعلق ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ گروپ آگے چل کر جب اپنی آزادی کے لئے زور لگائیں گے تو امریکہ میں دہشت گردی میں اضافے کا سبب بنیں گے۔ اس آگ کو مزید بھڑکانے والے مختلف عوامل موجود ہیں' جیسے درمیانی طبقے کے وسائل میں تنگی' ملازمتوں میں کمی' سماجی خدمات میں کٹوتی' علاج معالجے کے اخراجات میں اضافہ' جرائم اور منشیات کے استعمال میں اضافہ اور بڑھتا ہوا اخلاقی زوال۔ ان وجوہات کی بنا پر نوجوان ان گروہوں کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔

ان عوامل میں معاشی بدحالی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اب وہاں پر سماجی خدمات اور ہیلتھ پالیسی پر نظرثانی کی جارہی ہے اور لوگوں کو جتنی کچھ سہولتیں پہلے حاصل تھیں اس میں نمایاں کمی کی جارہی ہے۔ امریکی معیشت زوال پذیر ہے۔ اب وہ دور تو رہا نہیں جب جنگیں جاری تھیں اور امریکہ اپنا اسلحہ بیچ بیچ کر پیسے کماتا تھا۔ اب تو یہ حال ہے کہ ٹیکنالوجی کے کئی میدانوں میں جاپان انہیں مات دے چکا ہے۔ چنانچہ آٹوموبائلز اور الیکٹرونکس میں وہ ان سے کہیں آگے ہے۔ امریکہ کے پاس اب لے دے کر سپر کمپیوٹر رہ گیا ہے یا پھر یہ کہ اگر یہ کوئی خاص نیا ہتھیار ایجاد کرلیں تو اس کی منہ مانگی قیمت وصول کرلیں۔ باقی اور رہے کیا؟ اس حوالے سے اب وہاں کساد بازاری اور بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ جہاں ملازمتوں کے مواقع کم ہو رہے ہیں وہاں تنخواہیں بھی کم ہو رہی ہیں۔ دوسری طرف اب وہاں پر تمام امریکی نوجوانوں میں کام کرنے کا جذبہ ہی نہیں رہا اور کام وہاں جاکر تارکینِ وطن کرتے ہیں۔ اس لئے کہ "ہر کمالے را زوالے" کے مصداق ہر قوم جو عروج پر پہنچتی ہے پھر اسے زوال بھی تو آتا ہے۔ البتہ وہاں پر یہودیوں نے اپنے آپ کو ان تمام برائیوں سے بچاکر رکھا ہے۔ وہ اپنے گھروں میں ٹیلیویژن تک نہیں رکھنے دیتے۔ انہوں نے اپنی آبادیاں بہت صاف ستھری بنائی ہیں اور ان کا تعلیمی نظام بھی بہت مربوط ہے۔ ان کی آبادیوں میں جاکر دیکھیں تو سکول سے چھٹی کے وقت بسوں کی بسیں بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ سب کے سب تعلیم کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بہترین ڈاکٹر وہی ہیں۔ وہ بہترین دماغ رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہمارے جو تارکین وطن وہاں گئے ہیں ان کے ذریعے سے بھی گویا وہاں نیا خون پہنچا ہے۔ ان میں عرب بھی ہیں اور ہندو پاکستانی بھی۔ چنانچہ یہودیوں کے ساتھ ساتھ یہ سب لوگ بھی اب وہاں کے لوگوں کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں کہ یہ لوگ ہماری سرزمین پر عیش کر رہے ہیں' یہ ہمارے ملک کے وسائل پر parasite بنے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے وہاں پر شدید ردعمل ہونے والا ہے۔

حکومت کا ردِّ عمل

مذکورہ بالا صورتحال کے بارے میں وہاں کی حکومت کے ردعمل کا اندازہ اس سے

لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں پر اب ایک ایسا قانون منظور ہونے والا ہے جسے امریکہ کی تاریخ کا سیاہ ترین قانون کہا جاسکتا ہے۔ انسدادِ دہشت گردی کے اس مسودۂ قانون کو "اومنی بس کاؤنٹر ٹیررازم ایکٹ آف ۱۹۹۵ء" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں پہلے ہمارا خیال تھا کہ یہ غالباً صرف مسلمانوں کے لئے ہے' لیکن اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہاں پر یہودیوں کے خلاف اور خود فیڈرل گورنمنٹ کے خلاف اٹھنے والے طوفان کو روکنا اس قانون کا فوری محرک بنا ہے۔ اس قانون کے ذریعے حکومت کو جو اختیارات حاصل ہو جائیں گے' ان کا اندازہ کر لیجئے :

۱۔ صدر امریکہ کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ بغیر کسی ثبوت کے اور بغیر مقدمہ چلائے کسی بھی تنظیم کو دہشت گرد قرار دے دیں اور اس بنا پر کسی بھی امریکی شہری کو' صفائی کا موقع دیئے بغیر' اس تنظیم سے تعلق رکھنے کے الزام میں جیل میں بھجوا دیں اور کسی بھی غیر ملکی باشندے کو ملک سے نکال دیں۔ اس فیصلے کے خلاف نہ تو عدالتوں کو اور نہ ہی کانگریس کو صدر سے کسی استفسار کا حق حاصل ہو گا۔ (اب بتایئے کہ اس سے بڑا مارشل لاء اور کیا ہو گا؟)

۲۔ حکومت کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ کسی بھی غیر ملکی باشندے کو اس کا جرم بتائے بغیر ملک سے خارج کر دے۔

۳۔ حکومت کسی بھی شخص کے امریکہ میں داخلے سے متعلق نجی ریکارڈ کی جانچ پڑتال کر سکے گی۔

۴۔ ایف بی آئی کو اجازت ہو گی کہ کسی جرم کے واقع ہونے کی شہادت کے بغیر بھی لوگوں کے خلاف تفتیش شروع کر دے۔

۵۔ تفتیش کے دوران متعلقہ شخص کی ڈاک اور ٹیلیفون پر نظر رکھی جاسکے گی۔

یہ مسودۂ قانون منظوری کا ایک مرحلہ طے کر چکا ہے' اب اسے ایک ۳۵ رکنی کمیٹی کے حوالے کیا گیا ہے اور اس کے بعد یہ جرائم سے متعلق ایک سب کمیٹی کے سپرد کیا جائے گا جہاں اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔

اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ ایک بدترین "سیفٹی لاء" ہو گا' جس طرح ہمارے ملک

میں بھی کبھی سیفٹی لاز کا نفاذ ہوتا تھا' یا جیسے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا جائے تو شہریوں کے تمام حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے خود وہاں کے لوگوں کا رد عمل اس کے بارے میں یہی آ رہا ہے کہ اس سے تو ہمارے دستوری حقوق ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ کچھ عیسائی تنظیموں کی طرف سے بھی اس کے خلاف آواز اٹھ رہی ہے۔ اس قانون کی نوعیت اسی طرح کی ہے جس طرح بھارت میں "ٹاڈا" قانون کی ہے جس کے تحت جس کو چاہیں جیل میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس وقت بھارت میں جتنے کشمیری جیلوں میں ہیں وہ اسی "ٹاڈا" کے تحت قید ہیں۔ حکومت کی سرے سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان پر مقدمہ چلائے اور ان پر عائد کردہ الزامات کو ثابت کرے۔ چنانچہ وہ جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ اسی طرح کا بدترین قانون اب جمہوریت کی سب سے بڑی علمبردار ریاست میں نافذ ہوا چاہتا ہے' جن کے لئے جمہوریت تو گویا مذہب کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن ان کی کیفیت اب تنگ آمد بجنگ آمد والی ہے اور حالات بڑی تیزی سے ایک خاص رخ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ورنہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کے لئے ایسا کوئی قانون منظور کرنا ہمارے قرین قیاس ہو ہی نہیں سکتا تھا' کیونکہ وہاں بہرحال آزادی ہے' انسانی حقوق کا بول بالا ہے' لوگوں کو شہری حقوق میسر ہیں' کسی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر جیل میں رکھنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اب وہاں انسدادِ دہشت گردی کا یہ قانون پاس ہو رہا ہے۔ اسے ابتداءً تو ہم نے یہ سمجھا تھا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف ہے' کیونکہ اس کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ یہودیوں نے یہ واویلا مچانا شروع کیا تھا کہ فلسطین میں "حماس" وغیرہ اور عالم اسلام کی دیگر احیائی تحریکوں کے لئے امریکہ سے مالی مدد فراہم کی جاتی ہے' امریکہ میں آباد عرب اور دوسرے مسلمان ان تحریکوں کی مالی اعانت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہودی خود بھی بڑے پیمانے پر یہ کام کرتے ہیں اور امریکہ سے اربہا ارب ڈالر سماجی خدمات اور انسانی بنیادوں کے عنوانات سے اسرائیل کو جاتے ہیں' لیکن اب یہی کام تھوڑے سے پیمانے پر مسلمانوں نے شروع کیا ہے کہ فلسطین' بوسنیا' چیچنیا اور کشمیر وغیرہ میں کچھ مدد پہنچائی جائے تو اس کے حوالے سے یہودیوں نے شور مچایا ہے کہ جن تنظیموں سے ہمیں مشرق وسطیٰ' ایشیا اور یورپ میں نمٹنا پڑ رہا ہے ان کے اڈے تو یہاں امریکہ میں ہیں' لہٰذا ان کے خلاف کوئی

اقدام ہونا چاہئے۔ تو بات اگرچہ مسلمانوں سے شروع ہوئی تھی لیکن اس کی زد میں اب یہاں کی انتہائی دائیں بازو کی عیسائی تنظیمیں بھی آ جائیں گی' اس لئے کہ ان کے لئے بڑا خطرہ تو مختلف ناموں سے منظم ہونے والے یہ مسلح گروہ بن گئے ہیں' جن کی حیثیت گویا اندر کے بھیدی کی ہے۔ امریکہ میں مقیم غیر ملکی اگر رقوم باہر بھیج رہے ہیں تو اس سے امریکہ کی سالمیت پر تو حرف نہیں آ رہا' امریکہ کی سرزمین پر تو کوئی دہشت گردی نہیں ہو رہی' لیکن یہ جو اب اندر کا ایک اور دشمن جاگ اٹھا ہے تو یہ بجائے خود امریکیوں کے لئے خطرہ ہے۔

مسلمانوں کی ایک مزید خوش نصیبی

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کی ایک مزید خوش نصیبی ہے کہ اس ایکٹ کا اگر فوری طور پر اطلاق ہو گا تو دو طرفہ ہو گا۔ اس لئے کہ صدر امریکہ کو جس قدر بھی اختیار حاصل ہو جائے لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ مقدمات ہمیشہ نیچے سے بنتے ہیں۔ اور ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ نچلی سطح پر امریکہ میں سارے کے سارے افسر بد دیانت ہیں۔ میں نے ابھی اوکلاہاما بم دھماکے کی مثال پیش کی ہے کہ اگرچہ ابتداءً اس کا رخ مسلمانوں کی طرف پھر گیا تھا لیکن جونہی اصل ملزم پکڑا گیا تو فوری طور پر مسلمانوں کی بے گناہی کا اعلان کر دیا گیا' جس سے بات بگڑے بگڑتے رک گئی۔ یہ کریڈٹ بہرحال ان کو جاتا ہے۔ ان کے ہاں بدعنوانی اور رشوت بہت اونچی سطح پر ہے' نچلی سطح پر نہیں ہے۔ اور جو بھی جنگی سکیمیں بنتی ہیں یا سی آئی اے وغیرہ کی جو سازشیں ہوتی ہیں وہ بھی عام سطح پر نہیں بلکہ بہت بالائی سطح پر ہوتی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا قانون کا اطلاق اگر عوامی سطح سے شروع ہو گا تو خاص طور پر مسلمان ہی اس کا نشانہ نہیں بنیں گے۔ ظاہر ہے کہ مقدمات کی فائلیں اور رپورٹیں تو نیچے سے ہی اوپر جاتی ہیں۔ چنانچہ انسدادِ دہشت گردی کا یہ قانون اگر مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو گا تو شدت پسند عیسائیوں کے خلاف بھی استعمال ہو گا۔ اس طرح توقع ہے کہ مسلمانوں کو عارضی طور پر اس سے بھی کچھ نہ کچھ سہارا مل جائے گا۔ لیکن اصل بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سب سہارے عارضی ہیں۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا' یہودی عالمی استعمار اور اس کا آلہ کار امریکہ انتہائی desperate

ہو چکے ہیں۔ اس لئے معاملہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور مختلف جگہوں پر اس کے تانے بانے بنے جا رہے ہیں۔

یہود کے خلاف عیسائیوں کے اقدامات

لیکن دوسری طرف امریکہ میں یہودیوں کے خلاف رد عمل میں بھی شدت آتی جا رہی ہے۔ بعض عیسائیوں کی طرف سے یہودیوں کے خلاف ایک دستاویزی فلم بھی تیار ہوئی ہے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف جہاد کے موضوع پر فلم تیار کروائی تھی تاکہ امریکہ میں مسلمانوں کی مختلف تنظیموں کو بدنام کیا جائے، لیکن عیسائیوں نے یہودیوں کے خلاف "The Other Israel" کے نام سے فلم بنا دی ہے جو ویڈیو کی صورت میں دستیاب ہے۔ اس فلم میں "تالمود" کی عبارتوں کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا اصل مذہب کیا ہے۔ یعنی یہ کہ سوائے یہودیوں کے اور کوئی انسان ہے ہی نہیں۔ یہودی کے سارے اخلاق، ساری دیانت، ساری سچائی، سارا خلوص اور ساری محبت یہودی ہی کے لئے ہیں۔ باقی غیر یہودی جنٹائلز (Gentiles) اور گوئیمز (Goyems) کو جس طرح چاہو لوٹو کھسوٹو، ان کا خون چوسو، انہیں دھوکہ دو، ان کے ساتھ جو چاہو کرو۔ ان کی مذہبی کتاب "تالمود" میں انہیں یہ کھلی چھوٹ دی گئی ہے۔ تالمود دراصل ان کی کتاب فقہ اور ان کا نظام العمل ہے اور یہ تورات (عہد نامۂ قدیم) کے کوئی ایک ہزار برس بعد مرتب ہوئی ہے۔ تو عیسائیوں کی طرف سے بنائی گئی فلم میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا اصل مذہب یہ ہے اور ان لوگوں کے عزائم یہ ہیں۔

اسی طرح ناسٹرے ڈیمس کی پیشینگوئیوں کا تذکرہ بھی آپ نے کچھ عرصہ پہلے سنا ہو گا۔ ان پیشینگوئیوں میں مسیح دجال (Anti-Christ) کے ظہور کی تاریخوں کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ ۹۹-۱۹۹۷ء کے آس پاس کہیں ظاہر ہو گا، جو فائنل اور سب سے بڑا اینٹی کرائسٹ (یعنی دجال اکبر) ہو گا۔ اس ضمن میں اب وہاں عیسائیوں کا ایک باقاعدہ ادارہ بن چکا ہے جو ناسٹرے ڈیمس کی پیشینگوئیوں پر تحقیقات کر رہا ہے۔ پہلے یہودیوں نے جو فلمیں تیار کروائی تھیں ان میں اینٹی کرائسٹ کے بارے میں ناسٹرے ڈیمس

کی پیشینگوئی کو مسلمانوں پر منطبق کر دیا گیا تھا اور اس طرح دہشت پیدا کی گئی تھی کہ وہ دجال جو اٹھ کر ایٹمی حملے سے امریکہ کا امن و سکون تہہ و بالا کر دے گا وہ ایک عرب مسلمان ہو گا۔ لیکن اب عیسائیوں نے ایسی فلمیں بنائی ہیں جن میں وہ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اینٹی کرائسٹ دراصل یہودی ہی ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اہم اور قابل توجہ بات ہے۔

مسیحِ دجّال کی پیدائش اور جدید سائنس

اس ضمن میں میں ایک بات مزید عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعض مواقع پر میں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ دجال سے متعلق بعض احادیث کو میں ابھی تک پورے طور سے سمجھ نہیں پایا۔ یہ حدیثیں سند کے اعتبار سے صحیح ہیں اور میں انہیں رد نہیں کرتا۔ میرے نزدیک جس طرح قرآن کی کوئی بات خواہ سمجھ میں نہ آئے پھر بھی اسے ماننا ضروری ہے کیونکہ ہماری عقل کی حیثیت "حاکم" کی نہیں بلکہ حاکم اللہ کا کلام ہے' اسی طرح حدیث کا معاملہ ہے کہ اس میں حاکم ہماری عقل نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کا کلام ہے۔ البتہ حدیث کی سند میں کوئی ضعف ہو' حدیث ضعیف ہو یا موضوع ثابت ہو جائے تو بات دوسری ہے۔ لیکن اگر حدیث کی سند صحیح ہو تو پھر آپ کو اسے ماننا ہو گا' خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہاں تک فتنہ دجال کا تعلق ہے تو ایک تو ہم مغربی تہذیب کو بحیثیتِ مجموعی دجالی فتنہ کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ مغرب میں سائنسی ترقی اتنی تیزی سے ہوتی جا رہی ہے اور انسان قوانین فطرت پر اتنی قدرت حاصل کر چکا ہے اور تسخیر کائنات کے حوالے سے انسان طبعی قوتوں کو بھی اس طرح قابو میں لا چکا ہے کہ اب وہ مصنوعی بارش بھی برسا سکتا ہے' چنانچہ اس کے ذریعے صحراؤں کو گل و گلزار بنا لیا گیا ہے' آج انسان کے پاس وہ سواری موجود ہے جس کا ایک قدم مدینہ میں ہوتا ہے تو دوسرا بیت المقدس میں ہوتا ہے' بلکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ راستے میں کہیں رکے بغیر بارہ ہزار میل تک کا سفر طے کر لے۔ دجال کی سواری کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ اس کے دونوں کانوں کا درمیانی فاصلہ چالیس ہاتھ ہو گا۔ آج آپ طیاروں کے بازوؤں کے سروں پر لگے ہوئے راڈارز کا درمیانی فاصلہ ناپیں تو وہ

اس سے بھی کہیں زیادہ بنے گا۔ دجال کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک انسان کو آری سے دو ٹکڑے کر کے دوبارہ جوڑ دے گا۔ آج سرجری اس مقام پر پہنچا چاہتی ہے اور یہ کوئی دور کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ تو ایک تو یہ مغرب کی ٹیکنالوجی کا معاملہ ہے اور چونکہ انہوں نے اپنے اوپر آسمانی ہدایت کا دروازہ تو بند کر لیا' لہٰذا اس تہذیب کی ایک آنکھ بند ہو گئی۔ فزیکل سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی' لیکن وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کی پیروی اور اس کا اتباع ترک کر دیا گیا۔ لہٰذا پوری مغربی تہذیب کی حیثیت ایک آنکھ والے دجال کی ہے۔ تو دجال کا ایک مفہوم تو یہ ہے۔ البتہ مسیح الدجال ایک معین شخص ہو گا جو یہودیوں میں سے کھڑا ہو گا اور مسیح ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اس لئے کہ یہودیوں کے ہاں یہ پیشینگوئیاں موجود تھیں کہ ایک مسیح آئے گا جو انہیں "عظیم تر اسرائیل" بنا کر دے گا۔ لیکن جب حضرت مسیح علیہ السلام ان کے نجات دہندہ کے طور پر آئے تو یہود نے ان کا انکار کر دیا اور انہیں مرتد اور واجب القتل قرار دے کر اپنے بس پڑتے سولی چڑھا دیا۔ چنانچہ ان کے ہاں "مسیح" کا منصب ابھی خالی پڑا ہے۔ ان کے نزدیک مسیح کی آمد کی پیشینگوئی ابھی پوری نہیں ہوئی اور وہ مسیح کے منتظر ہیں۔ تو کوئی یہودی کھڑے ہو کر اعلان کر دے گا کہ میں مسیح ہوں! لیکن وہ مسیح الدجال ہو گا۔ اور اسے خود حضرت مسیح علیہ السلام ہی قتل کریں گے۔

یہ دو چیزیں تو بالکل سمجھ میں آتی ہیں اور انہیں میں اپنی کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں بڑی تفصیل سے واضح کر چکا ہوں۔ لیکن اس معاملے کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس دجال نے خدا ہونے کا دعویٰ کرنا ہے اور اس کے پاس ایسی قوتیں ہوں گی کہ جن کو دیکھ کر ہلکے پھلکے ایمان کا حامل شخص بھی بہہ جائے گا۔ اور جب تک بہت گہرا ایمان موجود نہ ہو کوئی شخص اس کے مقابل نہ ٹھہر سکے گا اور اسے خدا مان کر سجدہ کرے گا۔ اب امریکہ میں ناسڑے ڈیمس کی پیشینگوئیوں پر تحقیقات کے لئے ادارہ قائم ہوا ہے تو بعض باتیں سامنے آئی ہیں۔ میں نے ایک اخبار میں ناسڑے ڈیمس کے ڈھانچے کی تصویر بھی دیکھی ہے جو تابوت میں سے نکالا گیا ہے اور اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں کچھ کاغذات ہیں۔ یہ کاغذات جو برآمد ہوئے ہیں ان پر ناسڑے ڈیمس کے اپنے ہاتھ

کی لکھی ہوئی پیشینگوئیاں ہیں۔ ان میں تذکرہ ہے کہ کسی دور میں ایک نہایت عجیب الخلقت بچہ پیدا ہو گا جس کو نہایت غیر معمولی قوتیں حاصل ہوں گی۔ اس کا تذکرہ احادیث میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہو گا' اس کو خدا کیسے مان لیا جائے گا؟ اب ایک اعتبار سے تو یہ قرین قیاس محسوس ہوتا ہے کہ آج جینیٹک انجینئرنگ کا فن بہت ترقی کر گیا ہے اور اس جینیٹک انجینئرنگ میں کہیں غیر ارادی طور پر کوئی ایسی مخلوق پیدا ہو جائے کہ جو بہت ہی غیر معمولی قوتوں کی حامل ہو تو یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

امریکہ۔ خانہ جنگی کے دہانے پر

میں عرض کر رہا تھا کہ امریکہ میں جو انتہائی دائیں بازو کی شدت پسند عیسائی قوتیں ابھر رہی ہیں تو ان کی طرف سے اول نمبر پر یہودیوں' دوسرے نمبر پر مسلمانوں اور تیسرے نمبر پر ایفرو امریکیوں کے خلاف بڑی زبردست تحریک اٹھنے والی ہے' جس کی طرف سے یہ اعلان بھی آ گیا ہے کہ اب سول وار آیا چاہتی ہے۔ امریکہ کے مغربی ساحل پر آباد ہمارے بعض ساتھیوں نے بتایا ہے کہ ان کے کچھ مقامی دوست یہ کہتے ہیں کہ بہت جلد ایک بہت بڑی خونریزی ہونے والی ہے جس کے لئے مسلمانوں کو تیار رہنا چاہئے۔ بلکہ جنوب میں ٹیکساس کے علاقے میں تو بعض یہودی تنظیموں نے تہہ خانے بنا کر سامان جمع کرنا شروع کر دیا ہے اور اس طرح لمبی جنگ کی تیاری کا بندوبست شروع ہو چکا ہے۔ مغرب اور جنوب کا علاقہ مل کر ہلال کی سی صورت بنتی ہے جس میں یہ تحریک بڑے زور و شور کے ساتھ اٹھ رہی ہے۔ بہرحال یہ طوفان تو عالمی سطح پر آنے والا ہے اور اس کے آثار اب خاص طور پر امریکہ میں ظاہر ہو رہے ہیں جو بڑا امن کا گہوارہ کہلاتا تھا۔ ہم بھی جا کر دیکھتے تھے کہ وہاں بڑا پرامن ماحول ہے۔ شہروں کے اندر جہاں کہیں ایفرو امریکیوں نے قبضے کر رکھے ہیں' جیسے ڈاؤن ٹاؤن کا علاقہ' وہاں وہ شرابیں بھی پیتے ہیں اور رات کے وقت وہاں جرائم بہت ہوتے ہیں' لیکن ذرا مضافات میں چلے جائیں تو بڑا سکون و اطمینان ہے' نہ کہیں چوری ہے نہ ڈاکہ۔ وہاں پر معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی حکومت بھی ہے۔ آپ ایک دفعہ جے

ایف سی ایئرپورٹ پر اپنے کاغذات وغیرہ چیک کروانے کے بعد باہر نکل جایئے' تو اس کے بعد مجال ہے جو کہیں آپ کو محسوس ہو کہ یہاں پر حکومت نام کی کوئی شے بھی موجود ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا' وہاں تو ٹریفک کانسٹیبل بھی احترام سے بات کرتا ہے۔ کسی نے بڑے سے بڑا جرم بھی کیا ہو تو وہ اس کے پاس آ کر یہی کہے گا کہ "Sir, Can I see your license?" (جناب کیا میں آپ کا لائسنس دیکھ سکتا ہوں؟) یہی وجہ ہے کہ نیویارک میں بروکلین ایریا کے اندر غالباً ہزاروں پاکستانی' جن میں ایم ایس سی اور پی ایچ ڈی بھی ہیں' کیب ڈرائیورز کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں پر کیب ڈرائیونگ کوئی گھٹیا یا نیچ کام نہیں سمجھا جاتا اور کیب ڈرائیور کو ہمارے ہاں کی طرح کے اندیشے نہیں ہوتے کہ پولیس کا سپاہی کیا کر دے گا' یا کیا کہہ دے گا یا رشوتیں دینی ہوں گی۔ لیکن بہرحال امن و سکون کا یہ معاملہ اب وہاں زیادہ دیر رہنے والا نہیں ہے۔ یہ بھٹی بہت جلد دہکنے والی ہے جس کی خبریں احادیث نبویؐ میں "الملحمۃ العظمٰی" کے نام سے آئی ہیں اور جس کا ریہرسل خلیج کی جنگ میں ہمارے سامنے آ چکا ہے۔ اس کے بعد سے معاملات جس تیز رفتاری کے ساتھ چل رہے ہیں وہ دنیا کے سامنے ہے۔ عالمی یہودی استعمار اب اس کیفیت میں مبتلا ہو چکا ہے کہ اسے امریکہ جیسے ملک میں بھی انسدادِ دہشت گردی کے قانون کا سہارا لینا پڑ رہا ہے جو میرے نزدیک ایک ناقابل تصور بات تھی۔ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امریکہ میں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ امریکہ کا تو مذہب ہی جمہوریت اور حقوق ہے' ان کا اور کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہاں اگر یہ قانون بن رہا ہے تو اس سے آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ حالات کس رخ پر جا رہے ہیں۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

اس پس منظر میں اب ہمیں ذرا اپنا جائزہ لینا ہے کہ پاکستان کہاں کھڑا ہے؟ "الملحمۃ العظمٰی" کی یہ بھٹی تو بہرصورت دہکے گی' لیکن اس تناظر میں پاکستان نظام خلافت کا نقطۂ آغاز بنے گا یا عالمی یہودی استعمار کا آلہ کار؟ ہم اس وقت ایک چوراہے پر کھڑے ہیں' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس چوراہے سے آگے نکل آئے ہیں اور

استعمار کے آلہ کار بننے کی طرف پیش قدمی کر چکے ہیں۔ اندرون خانہ یقینی طور پر کوئی بہت بڑی سودے بازی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں براؤن ترمیم منظور ہوئی ہے اور انکل سام ہم پر کچھ مہربان نظر آ رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ امریکہ کوئی قیمت لئے بغیر' اپنے کسی مفاد اور مصلحت کے بغیر ہمارے معاملے میں نرمی دکھا رہا ہو۔ ان کے نزدیک تو اخلاق اور وفا کی کوئی حیثیت نہیں۔ امریکہ کے اپنے معاشرے کی کچھ اخلاقی اقدار ہیں جن کی وہ اپنے ہاں قدر کرتے ہیں۔ باقی انٹرنیشنل فورم پر آ کر تو انہیں اپنی مصلحت اور اپنے فائدے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور پہلے وہ یہ باتیں ڈھکے چھپے انداز میں کرتے تھے' اب برملا کہتے ہیں کہ "امریکہ امریکہ ہے اور پاکستان پاکستان ہے"۔ ڈیڑھ دو برس قبل کراچی میں میر خلیل الرحمٰن صاحب کی برسی کے موقع پر ایک تقریب میں' جہاں میں بھی موجود تھا' بیگم سیدہ عابدہ حسین نے بتایا تھا کہ امریکی وزیر خارجہ سے گفتگو کے دوران جب ان سے پوچھا گیا کہ امریکہ مختلف ملکوں کے معاملات میں مختلف طرز عمل کا مظاہرہ کیوں کرتا ہے' یہ دوعملی آخر کیوں ہے' تو انہوں نے صاف صاف کہا کہ یہ تو ہونا ہی ہے

"America is America and Pakistan is Pakistan"

ہمارے اندرونی حالات جس رخ پر جا رہے ہیں وہ سخت تشویشناک ہے۔ کشمیر کا مسئلہ یہ رخ اختیار کر رہا ہے کہ رفتہ رفتہ کیمپ ڈیوڈ یا PLO والا معاملہ کروا کے کشمیر کو عجمی اسرائیل بنانے کی سازش ہو رہی ہے' جو براعظم ایشیا کے قلب میں ایک بڑا اسرائیل ہو گا۔ اسی طرح کراچی کے حالات خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں۔ سرکاری دہشت گردی اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ فہیم کمانڈو اور اس کے چار ساتھیوں کو پولیس نے لے جا کر مارا ہے۔ کوئی بھی ماننے کو تیار نہیں ہے کہ وہ خود اپنے ہی ساتھیوں کی فائرنگ کا شکار ہو گئے۔ اگر ان کے ساتھیوں نے انہیں مارا ہوتا تو کوئی چھرہ تو کسی پولیس مین کو بھی لگتا۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ مقتولین کی پشتوں پر بڑے قریب سے گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔ اب اس طرح کی چیزیں حالات کو کدھر لے جا رہی ہیں اور ان کے کیا نتائج نکلنے والے ہیں؟ ان معاملات میں ہماری حکومت کی پالیسی کیا ہے؟ خارجہ امور میں اس کی پالیسی کیا ہے؟ ایران اور چین کے ساتھ ہمارے تعلقات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں؟

افغانستان میں اب کیا ہو رہا ہے؟ مزید بر آں فحاشی کا نیا سیلاب پاکستان میں امڈا چلا آ رہا ہے۔ اور اب وہ "Rock-Drug-Sex" کا طوفان ہماری تہذیبی اقدار اور خاندانی نظام کو برباد کرنے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے۔ اب بینکوں کا وہی نظام پاکستان میں اپنا جال پھیلا رہا ہے جو امریکی معیشت کو تباہ کر چکا ہے۔ سٹی بینک' سٹی ہاؤس' سٹی کار اور سٹی کارڈ جیسے سارے ہتھکنڈے اب اسی طریقے سے پاکستان میں استعمال کئے جا رہے ہیں۔

ان حالات کا تقاضا کیا ہے؟ اس موضوع پر اب ان شاء اللہ اگلے جمعہ (۲۰۔ اکتوبر) کو مینارِ پاکستان کے سبزہ زار میں لگی لپٹی رکھے بغیر' کھل کر گفتگو ہو گی' جہاں اس خطاب جمعہ سے تنظیم اسلامی کے سہ روزہ سالانہ اجتماع کا آغاز ہو گا۔ وہاں پر میرے خطاب جمعہ کا عنوان ہو گا: "پاکستان --- نظام خلافت کا نقطہ آغاز یا عالمی یہودی استعمار کا آلہ کار؟" گویا فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم! اب قوم کو یہ فیصلہ کرنا ہو گا اور عوامی سطح پر کمر ہمت کسنی ہو گی۔ ہمارے سابق چیف جسٹس قوم کو بار بار متنبہ کرتے رہتے ہیں کہ ع "نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے ......!" میں تو ان کے بیانات کی سرخیاں پڑھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قوم کا کوئی خیر خواہ اسے متنبہ ہی کر سکتا ہے' توجہ ہی دلا سکتا ہے' باقی نوشتہ دیوار تو نظر آ رہا ہے' حالات تو سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حالات کی سنگینی کا احساس کرنے اور اس ضمن میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے!!

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے۔

احوال وظروف

موجودہ ملکی و ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

۲۲/دسمبر ۹۵ء کے خطاب جمعہ کا پریس کا ریلیز

لاہور (پ ر) اسلام کی علمی اور روحانی وراثت کا مرکز چار سو سال پہلے برعظیم پاک و ہند میں منتقل ہو گیا۔ مجددین امت کی طویل مساعی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے قیام سے ملت اسلامیہ پاکستان کو دنیا میں عظیم ترین کردار عطا کیا۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے سعودی عرب کے دورہ سے واپسی پر مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ قائد اعظم وہ واحد شخصیت ہیں جن کے فیصلہ کن کردار کی وجہ سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قائد اعظم پاکستان کو عہد حاضر کی جدید اسلامی ریاست بنا کر دنیا کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ پاکستان کا قیام ایک معجزہ کی حیثیت سے مشیت ایزدی کا خصوصی مظہر ہے مگر قیام پاکستان کے بعد ہماری عظیم اکثریت نے نظریہ پاکستان کو عملی جامہ پہنانے سے انحراف کی روش اختیار کر لی۔ پوری قوم ذاتی و گروہی مفادات کے حصول میں لگ گئی جس کے نتیجے میں ہم نفاق باہمی میں مبتلا ہو کر لسانی، علاقائی اور مذہبی قومیتوں میں تقسیم ہو گئے۔ نفاق عملی کے حوالے سے قوم انفرادی اور اجتماعی سطح پر ذلت اور پستی کی آخری انتہا کو پہنچ چکی ہے، چنانچہ جو جتنا "بڑا" ہے وہ اسی قدر بڑا خائن اور بدعنوان ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ملک کے حالات خراب سے خراب تر صورتحال کی عکاسی کر رہے ہیں۔ اقتصادی شعبے میں غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے ملک معاشی طور پر تباہی کے کنارے پہنچ چکا ہے۔ ان حالات میں پوری قوم اللہ تعالیٰ کے حضور اجتماعی سطح پر قوم یونس علیہ السلام کی طرح توبہ کرے تو شاید رحمت خداوندی ہماری دستگیری فرمائے اور آیا ہوا عذاب ٹال دے۔

امیر تنظیم اسلامی نے مسلح افواج کے نئے سربراہ کی تقرری کو ملک و قوم کے لئے خوش آئند قرار دیا اور کہا کہ نئے کمانڈر انچیف سنیارٹی اور پیشہ ورانہ صلاحیت کے حامل ہیں۔

انہوں نے توقع ظاہر کی کہ فوج سیاست سے الگ رہ کر دفاع وطن کے حد درجہ اہم فریضے کو ادا کرنے کی طرف بھرپور توجہ دے گی۔ صدر لغاری کی طرف سے ایم کیو ایم کو مصالحت کی پیشکش اور انہیں حکومت میں شریک کرنے کا بیان کراچی کے مسئلے کے لئے پیش رفت بن سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے شیخ رشید احمد کے بارے میں سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کو مستحسن اقدام قرار دیا جس سے عدلیہ کو اپنا گرتا ہوا وقار بحال کرنے میں مدد ملے گی۔ دانشوروں اور اہل صحافت نے قوم کو خوابوں کی دنیا میں مگن رکھا مگر اب حالات کی سنگینی نے حقائق سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہی وجہ ہے کہ صدارتی نظام اور چھوٹے صوبوں کی تشکیل جیسے حساس معاملات بھی مقتدر حلقوں سمیت ہر جگہ زیر غور ہیں۔ ملک و قوم کی ترقی و فلاح کے لئے صدارتی نظام کا قیام اور چھوٹے صوبوں کی تشکیل انتہائی ضروری ہے۔ اسی سے کراچی جیسا گھمبیر مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا ہندوستان کے ساتھ دو طرفہ تجارتی تعلقات کی بحالی دونوں ملکوں میں مفاہمت کی بنیاد بن سکتی ہے اور یہی چیز ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں ہے۔ ہمارے پاس اسلام کی شکل میں ایک نظریاتی ہتھیار موجود ہے جبکہ ہندوستان اس حوالے سے بالکل تہی دست ہے اور امریکہ کا تابع مہمل ہے۔ انہوں نے کہا ہندوستان اور پاکستان برصغیر کی تقسیم کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے باہم مذاکرات کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کے حل کی راہ نکال سکتے ہیں۔ کشمیر کے مسلم اکثریتی علاقے پاکستان کے ساتھ اور ہندو اکثریت کے علاقے ہندوستان کے ساتھ شامل کر لئے جائیں۔ انہوں نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ممالک نے کشمیر کا مسئلہ حل نہ کیا تو علاقے میں امریکی سازش کے ذریعے ایک نئی آزاد ریاست قائم کر دی جائے گی جس کے نتیجے میں کشمیر دونوں ممالک کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

پشاور کے حالیہ بم دھماکے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان کی حکومت کی جانب سے حکومت پاکستان کو اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رکھنے کے لئے یہ سنگین قدم اٹھایا گیا ہے۔ انہوں نے پشاور کے بم دھماکے کو پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا بم دھماکہ قرار دیا۔

○○

استقبال رمضان

روزہ اور تراویح---غرض وغایت

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآنی سے ماخوذ

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۳' قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہے جن کا ترجمہ ہر مسلمان کو یاد ہے۔ یعنی: "اے مسلمانو امدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی مدد اور تائید و حمایت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ورنہ یوں تو اللہ ہر جگہ اور ہر آن موجود ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا: "تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے"۔ یہاں اصل قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ کون سا اہم اور بھاری کام ہے جس کی انجام دہی کے لئے صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

انسانی زندگی میں اکثر ایسے مرحلے آتے ہیں جب ایک انسان کے لئے صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا' لیکن یہاں معلوم ہوتا ہے کوئی خاص مقصد پیش نظر ہے جس کے لئے مسلمانوں کو تیار کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کا تعین سورۃ البقرہ ہی کی آیت نمبر ۱۴۳ میں "شہادت علی الناس" کے الفاظ میں ہوا۔ یعنی اپنے قول و عمل سے اللہ کے دین کی گواہی اس طور سے دینا کہ نوع انسانی پر حجت قائم ہو جائے۔ اور سورۂ آل عمران میں اسی مقصد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا: "تم وہ بہترین امت ہو' جسے لوگوں (پر اتمام حجت) کی خاطر برپا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہو"۔ یعنی امت مسلمہ کا مقصد وجود ہی دین کی گواہی دینا' نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک نہایت عظیم مشن ہے جو امت مسلمہ کو سونپا گیا۔ اور یہ عام فہم بات ہے کہ کوئی شے اگر وہ مقصد پورا نہیں کرتی جس کے لئے وہ بنی ہے تو اسے آخر کار کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہے جس کا قرآن مجید میں ان عظیم الشان

الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ "ہم نے تو تمہیں جہان والوں پر فضیلت عطا کر دی تھی"۔ لیکن جب انہوں نے اپنے عمل سے اللہ کے دین اور شریعت سے انحراف کیا تو از روئے قرآن "ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو فضیلت عطا کرتا ہے تو اس پر اسی نسبت سے ذمہ داری کا بوجھ بھی ڈال دیتا ہے۔ ع "جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے!" اور وہ قوم اگر غیر ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرے تو اس کی سزا بھی نہایت سخت ہوتی ہے' خواہ اسے اپنے بارے میں کتنا ہی زعم کیوں نہ ہو کہ "ہم تو اللہ کے بیٹوں کے مانند ہیں اور اس کے چہیتے اور لاڈلے ہیں!" اس لئے کہ اس حیات دنیوی کی اصل غرض و غایت آزمائش اور امتحان و ابتلا ہے۔ یعنی "اس نے بنائی موت اور زندگی تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے اچھے عمل کرنے والا!" (سورۃ الملک:۲) سب انسان اللہ کی نگاہ میں برابر ہیں' ہاں جو اس آزمائش میں کامیاب نکلا وہ اللہ کی رحمتوں کا امیدوار ہو گا۔

جس طرح امت کی تشکیل ایک خاص مقصد اور مشن کے لئے ہوئی ہے اسی طرح تمام عبادات بھی خاص مقاصد کے لئے تلقین فرمائی گئی ہیں۔ وہ مقصد اگر پیش نظر نہیں ہے اور اس کے حصول کے لئے کوئی جدوجہد نہیں ہو رہی تو ان عبادات کے مفہوم اور معانی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ نماز کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ یہ اسلام کا رکن رکین ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "عماد الدین" قرار دیا اور قرآن مجید میں اس کے اصل مقصد کی تعیین ان الفاظ میں ہوئی کہ : "نماز کو قائم کرو میری (اللہ کی) یاد کے لئے"۔ گویا نماز دراصل اللہ کی یاد اور ایمان کی تقویت کا ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے اسے مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ روزے کی عبادت کا مقصد کیا ہے' یہ عبادت مسلمانوں پر کیوں فرض کی گئی' اور اس کا قرآن حکیم سے کیا تعلق ہے' ان باتوں کو بھی اللہ نے مبہم نہیں چھوڑا۔ عجیب بات یہ ہے کہ روزے سے متعلق جملہ مضامین' تمام احکام اور حکمتیں قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کے ۲۳ ویں رکوع میں' جو چھ آیات پر مشتمل ہے' یکجا ہو کر آگئے ہیں۔ جبکہ نماز' زکوٰۃ اور حج کا ذکر ہمیں قرآن مجید میں متفرق مقامات پر منتشر طور پر ملتا ہے۔ لہٰذا ان چھ آیات کو اگر سمجھ لیا جائے تو ارکان اسلام میں سے اس ایک رکن کے بارے میں قرآن

حکیم کی ہدایت و رہنمائی واضح انداز میں ہمارے سامنے آجائے گی۔ تو آیئے براہ راست انہی آیات مبارکہ سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :"اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ یہ فرض کیا گیا تھا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے"۔ عرب کے لوگ چونکہ روزے کی عبادت سے واقف نہیں تھے لہٰذا فرمایا گیا کہ یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے' پہلی امتوں پر بھی روزہ رکھنا لازم کیا گیا تھا۔ یہاں واضح رہے کہ روزوں کی تعداد اور آداب و شرائط کے اعتبار سے سابقہ انبیاء و رسل کی شرائع میں بھی جزوی فرق رہا ہے اور شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں بھی شریعت موسویؑ سے کسی قدر فرق موجود ہے۔ البتہ روزے کی فرضیت ہر امت میں موجود رہی ہے۔ آگے فرمایا" تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے"۔ گویا روزے کی عبادت کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ وہ شے ہے جو نیکی اور خیر کے تمام کاموں کے لئے جڑ بنیاد ہے۔ انسان کی روحانی ترقی کا تمامتر دارومدار تقویٰ پر ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل مناسب ہو گا کہ ایک اہم بحث کا' جس کا بڑا گہرا تعلق نفس مضمون کے ساتھ ہے' اجمالی تذکرہ ہو جائے۔ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے۔ اس کا ایک جزو' یعنی روحانی وجود "احسن تقویم" کا مظہر ہے تو دوسرا' یعنی حیوانی وجود "اسفل سافلین" کا مصداق کامل۔ ایک کا تعلق "عالم امر" سے ہے تو دوسرے کا "عالم خلق" سے۔ ایک خاکی ہے تو دوسرا نوری۔ ایک "دنی الطبع" ہے اور ہمہ وقت پستی کی جانب مائل تو دوسرا "قدسی الاصل" اور "ہمیشہ رفعت پہ نظر رکھنے والا" ع "قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے"۔ ایک حیوانات کی صف میں ہے---اور ان میں بھی بہت سوں کے مقابلے میں مختلف اعتبارات سے ہیچ و کمتر اور ضعیف و ناتواں تو دوسرا ملائکہ کا ہم پلہ' بلکہ مقام و مرتبہ میں ان سے بھی کہیں اعلیٰ و افضل--- حتیٰ کہ ان کا مسجود و مخدوم!! ایک عبارت ہے اس کے "وجود حیوانی سے"---تو دوسرا مظہر ہے اس "روح ربانی" کا جو اس میں پھونکی گئی اور جس کی بنیاد پر وہ مسجودِ ملائک قرار پایا۔

روحِ انسانی کی بالیدگی کے لئے ضروری ہے کہ نفس کے اس منہ زور گھوڑے کو لگام دی جائے کہ جو انسان کو گناہوں کی دلدل اور پستی کی طرف دھکیلنے کے لئے ہر دم مستعد رہتا

ہے۔ نفس پر قابو یافتہ ہونے کے لئے تقویٰ شرط لازم ہے۔ روزہ کی عبادت اسی لئے فرض کی گئی ہے تاکہ تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ کے معنی ہیں' بچ بچ کر چلنا کہ انسان کا دامن کہیں گناہ سے آلودہ نہ ہو جائے۔ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک جو مشق کرائی جاتی ہے اس کا حاصل ہے ضبط نفس۔ روزے میں انسان کو ایک خاص وقت کے لئے حلال چیزوں کے استعمال سے بھی روک دیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اللہ کی نافرمانی سے بچنے اور اوامر و نواہی پر استقلال کے لئے اپنے نفس امارہ کو قابو میں رکھنے کی تربیت ہے۔

اگلی آیت کا مفہوم ہے : "گنتی کے چند دن ہی تو ہیں۔ اور جو رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں (پھر نہ رکھیں) تو ان کے ذمے (ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ اور اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو"۔ اس آیت کے ضمن میں مختلف تفسیری آراء ہیں لیکن میرے نزدیک یہ رائے زیادہ صحیح ہے کہ یہ آیت رمضان کے روزے سے متعلق نہیں بلکہ ایام بیض کے تین روزوں سے متعلق ہے جو صیام ماہ رمضان کی فرضیت سے قبل مسلمانوں کے لئے لازم کئے گئے تھے۔

اب تیسری آیت کے مطالعہ کی طرف آیئے جس میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اگلی تین آیات کچھ عرصے کے بعد نازل ہوئیں لیکن مضمون کی مناسبت سے ان تین آیات کو اسی مقام پر شامل کر دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے : "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' جو لوگوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس ماہ کے روزے رکھے"۔ یہ آیت صوم رمضان کی فرضیت کے بارے میں ہے۔ یہاں اس اہم بات پر غور کیجئے کہ روزوں کے لئے سال کے بارہ مہینوں میں سے خواہ کوئی مہینہ بھی مقرر کیا جاتا ضبط نفس کا مقصد حاصل ہو جاتا۔ اس عظیم عبادت کے لئے ماہ رمضان کا انتخاب درحقیقت اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ معلوم ہوا کہ روزہ اور قرآن میں باہم بڑا گہرا معنوی ربط ہے۔ روزے کے ذریعے انسان کے روحانی وجود پر سے اس کے حیوانی وجود کی گرفت کمزور پڑتی ہے' روح کو سانس لینے کا موقع ملتا ہے اور

قرآن دراصل روح کی تقویت کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اس کے انوار کا فیضان جب روح انسانی پر ہوتا ہے تو روح کو گویا حیات تازہ عطا ہوتی ہے اور وہ اپنے رب کی طرف بے تابی کے ساتھ متوجہ ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ماہ رمضان کو روزے کی عبادت کے ساتھ مخصوص کرنے کا اصل منشا اور مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ دن کا روزہ ہو اور راتیں قرآن مجید کے ساتھ بسر ہوں۔ گویا یہ ایک دو آتشہ پروگرام ہے۔ لیکن ظاہر ہے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں بیس تراویح ختم کر لینے سے قرآن مجید کے ساتھ رفاقت کا مقصد پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکتا' جس کا اشارہ صحیحین کی اس حدیث سے ملتا ہے جس کی رو سے صیام اور قیام بالکل ہم وزن اور متوازی و مساوی قرار پاتے ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ' بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ' بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ"۔ (بخاری و مسلم)

اسی آیت میں مزید فرمایا: "اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر لے"۔ یعنی بیمار اور مسافر کے لئے تو سابقہ رعایت کو برقرار رکھا گیا ہے لیکن ایام بیض کے روزوں کے حکم کے ساتھ فدیہ کی جو رعایت دی گئی تھی کہ طاقت رکھتے ہوئے بھی اگر کوئی روزہ نہ رکھنا چاہے تو بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے' اسے اب منسوخ کر دیا گیا۔ تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص معاملات میں اس رعایت کو برقرار رکھا' جیسے کوئی شخص بہت بوڑھا ہو گیا ہو یا ایسا کوئی دائمی مریض ہو کہ صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو' تو وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

آگے چلئے' ابھی اس آیت کا سلسلہ جاری ہے۔ فرمایا: "اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری و سختی اور تنگی نہیں چاہتا"۔ یعنی بیماری اور سفر میں دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنے کی جو رعایت بیان ہوئی ہے اس سے اللہ کا مقصود بندوں کے حق میں آسانیاں فراہم کرنا ہے۔ یہاں یہ بات بھی جان لیجئے کہ آیت کے اس حصہ میں "یسر و عسر" کا معاملہ صرف صیام پر ہی موقوف نہیں ہے' اللہ کا ہر حکم درحقیقت

بندوں کے حق میں رحمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ آگے فرمایا : "اور تاکہ تم اپنے رب کی تکبیر کرو اس پر کہ جو اس نے تمہیں راہ راست دکھائی اور تاکہ تم شکر گزار بن کر رہو۔"

اس مقام پر قرآن مجید کی شان میں "هُدًى لِّلنَّاسِ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا روشن چراغ بن کر نازل ہوا ہے۔ تاہم یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے آغاز میں یعنی سورۃ البقرہ کے بالکل شروع میں اسے "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" قرار دیا گیا ہے۔ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگرچہ فی نفسہٖ ہدایت کا مکمل سامان پوری نوع انسانی کے لئے موجود ہے لیکن اس چشمہ ہدایت سے بالفعل سیراب وہی ہو سکے گا جس میں تقویٰ کی کچھ نہ کچھ رمق اور تلاش حق کی کچھ نہ کچھ طلب موجود ہوگی۔ وہی تقویٰ جس کا ذکر روزہ کی بحث میں بالکل شروع میں آچکا ہے۔ آپ کو معلوم ہے جب تک پیاس نہ ہو ٹھنڈے پانی کی قدر انسان کو محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر بھوک ہی نہ ہو تو عمدہ سے عمدہ کھانا سامنے پڑا رہے گا' انسان کا ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھے گا۔ معلوم ہوا کہ جب تک طلب نہ ہو اس وقت تک کسی شے کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔ چنانچہ روزے کی عبادت کا مقصد دراصل ہدایت کی طلب پیدا کرنا ہے' اور وہ اس طرح کہ روزے سے "روح" بیدار ہوگی اور تقویٰ کی کچھ پونجی انسان کے ہاتھ آئے گی' اس کیفیت میں رات کو قرآن کے ساتھ جب اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے تو یہ قرآن مجید' یہ کلام ربانی' روح کے تغذیہ و تقویت کا باعث بنے گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا روح کو جب غذا ملے گی تو وہ قوی اور توانا ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوگی۔ اس کا جو نتیجہ نکلے گا اس کا بڑا پیارا بیان اگلی آیت (۱۸۶) میں ہے۔ فرمایا : "اور اے نبی! جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں (تو آپ" کہہ دیجئے) میں قریب ہی ہوں۔ میں تو ہر پکارنے والے کی بات سنتا ہوں جب مجھے پکارے"۔ گویا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہ مخواہ یہ تصور قائم کر لیا گیا ہے کہ اس تک رسائی کے لئے کوئی وسیلہ اور واسطہ درکار ہے۔ حالانکہ قرآن صاف صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تمہارے

بالکل قریب ہے' جب اور جہاں چاہو اس سے ہمکلام ہو جاؤ۔ اصل مسئلہ طلب کا ہے۔ تاہم آیت کے اگلے حصہ میں دو شرطوں کا بیان ہے۔ یعنی یہ یک طرفہ معاملہ نہیں ہے۔ پہلی شرط ہے : "فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي" کہ "میرے بندوں کو بھی چاہئے کہ میرا حکم مانیں' میری پکار پر لبیک کہیں"۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ بات ملے گی کہ بندے اور اللہ کا معاملہ دو طرفہ بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا : "اور تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا ہے' میں اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے"۔ اسی سورہ میں فرمایا : "تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔ اور سورۂ ابراہیم میں فرمایا : "اگر تم ہمارا شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو پھر ہمارا عذاب بھی بڑا سخت ہو گا"۔ ہم مسلمانان پاکستان نے بھی ایک وعدہ اللہ سے کیا تھا : "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ"۔ اللہ نے ہمیں پاکستان عطا کر دیا۔ ہمارے لئے سوچنے کی بات ہے کہ اس کے بعد ہم نے کتنا کچھ اللہ کا شکر ادا کیا؟ بہرحال' دوسری شرط ہے "وَلْيُؤْمِنُوا بِي" یعنی "انہیں بھی چاہئے کہ مجھ پر ایمان پختہ رکھیں"۔ اس آیہ مبارکہ کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ پر "لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ"۔ تاکہ یہ لوگ راہ یاب ہو سکیں' ان پر فوز و فلاح اور رشد و ہدایت کی راہیں کھل جائیں۔

اگلی آیت (۱۸۷) روزے سے متعلق تفصیلی احکام پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کی آخری آیت (۱۸۸) میں بڑے جامع انداز میں اس حقیقت کی جانب رہنمائی کی گئی ہے کہ تقویٰ' کہ جو روزے کا اصل حاصل ہے' اس کا عملی ظہور کس طور سے ہو گا۔ نہایت واشگاف الفاظ میں اسے معین کر دیا گیا کہ وہ ہے اکل حلال۔ اگر یہ نہیں تو انسان خواہ شکل و صورت اور وضع قطع کے لحاظ سے کتنا ہی متقی نظر آتا ہو' فی الحقیقت تقویٰ کی دولت اسے حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس ماہ مبارک کی برکات سے صحیح طور پر مستفید ہو سکیں اور تقویٰ کی دولت کے حصول کے اس بہترین موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ ورنہ بقول اقبال۔

موسم اچھا' پانی وافر' مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!

اسلام کا معاشرتی نظام

ڈاکٹر عبدالسمیع

نظام کی اصطلاح اگرچہ نہ قرآن مجید میں ہے نہ حضور ﷺ کے پر حکمت ارشادات میں، لیکن نظام اس order اور دستور کو کہتے ہیں جو متعین افراد کی بجائے عوام الناس کی بھلائی کے لئے ترتیب دیا جاتا ہے اور اس میں ہر شے متعین کر دی جاتی ہے۔

"اسلامی نظامِ حیات" سے مراد کیا ہے

یہ اصطلاح اگرچہ ہم سیاسی اور معاشی معاملات میں بھی استعمال تو کر لیتے ہیں، جیسے "اسلام کا معاشی نظام" یا "اسلام کا سیاسی نظام" لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں میدانوں میں اسلام کی تعلیمات کی حیثیت نظام کی نہیں ہے۔ چونکہ کاروبار کے طریقے بدلتے رہتے ہیں اور سیاسی حالات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں لہٰذا ان دونوں میدانوں میں کوئی متعین نظام دینا خلافِ مصلحت تھا اور خلافِ واقعہ بھی ہے۔ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے پورے قرآن مجید میں گنتی کی ایک دو آیات ایسی ملیں گی جن میں سیاست کے ضمن میں کوئی بنیادی رہنمائی میسر آ جائے۔ ان میں سے ایک آیت سورۃ الحجرات کی پہلی آیت ہے کہ اس میں انسانی اجتماعیات کا بلند اصول کہ حاکم مطلق (sovereign) صرف اللہ ہے اور حکم صرف اسی کا چلے گا، جو اس کے رسول ﷺ کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے۔ اور دوسرے سورۃ الشوریٰ کی ایک آیت کا جزو "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" یعنی سورۃ الحجرات میں بیان کردہ اصولِ اطاعت کے اندر اندر تمام معاملاتِ ریاست مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے طے ہوں گے۔ بس اس سے آگے چل کر کوئی تفصیل عطا نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دوران مختلف مواقع پر خلافت کے انعقاد میں کوئی یکساں طریق کار اختیار نہیں کیا گیا۔ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ایک انداز سے وجود میں آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دوسرے طریقے سے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کی خلافت ایک تیسرے طریقے سے منعقد ہوئی۔ ہر موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور حالات کے مطابق باہمی مشورہ کے اصول کو مدِ نظر رکھا گیا۔ اسی طرح جب بھی کوئی اسلامی ریاست وجود میں آئے گی ان بنیادی تعلیمات اور ہدایات کی روشنی میں اسلام کا سیاسی نظام وضع کیا جائے گا۔

اسی طرح معاشیات کے میدان میں قرآن مجید کے تیس پاروں اور نبی اکرم ﷺ کی مبارک احادیث میں ہدایات اور احکام تو ملیں گے لیکن متعین نظام نہیں ملے گا۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا ہے حالات تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں' لہٰذا کوئی متعین طریقِ معیشت رائج نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کے معاشرتی نظام کا خصوصی معاملہ

لیکن جہاں تک معاشرتی نظام کا تعلق ہے اس پر جب ہم غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ اس میں وقت گزرنے کے ساتھ نہ تو کوئی بنیادی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی تفصیلی تغیر و تبدل۔ والدین اور اولاد کا رشتہ آج بھی اسی طرح وجود میں آتا ہے جیسے آج سے چودہ سو سال قبل بلکہ اس سے پہلے وجود میں آیا کرتا تھا۔ اور میاں بیوی کے درمیان آج بھی وہی رشتہ ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھا۔ اور اسی طرح بہن بھائی آج سے پہلے جس رشتے سے منسلک ہوتے تھے آج بھی اسی رشتے میں منسلک ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہمارے خیال کے مطابق تو اہم ترین معاملات سیاسی و معاشی ہیں کہ جن میں رہنمائی درکار ہے' جبکہ معاشرتی معاملات تو خاندانی روایات کے مطابق خود بخود انجام پاتے رہتے ہیں' لیکن قرآن و سنت کی رہنمائی اول الذکر معاملات میں صرف اصولی و بنیادی ہے جبکہ معاشرتی و عائلی معاملات میں یہ رہنمائی تفصیلی بھی ہے اور متعین بھی۔ صرف نارمل ہی نہیں ابنارمل حالات میں بھی مفصل رہنمائی سے نوازا گیا ہے۔ جیسے طلاق کے معاملے میں کہ اگرچہ وہ پسندیدہ چیز نہیں ہے لیکن اس پر کئی کئی رکوع نازل ہوئے ہیں' ایک طلاق ہو تو کیا حکم ہے' دو ہوں تو کیا اور تین ہوں تو کیا ہو گا۔۔ رضاعت' نان' نفقہ' مہر اور اثاثہ جات کا کیا ہو گا۔

رشتوں کا باہمی توازن

معاشرہ بہت سے خاندانوں سے وجود میں آتا ہے اور ایک خاندانی یونٹ ایک مرد اور ایک عورت کے رشتہ نکاح میں منسلک ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ لیکن یہ میاں بیوی صرف دو ہی نہیں ہوتے بلکہ اوپر کی سمت میں دونوں کے والدین ہوتے ہیں اور رافقی سمت میں دونوں کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ پھر شادی کے نتیجے میں جو نیا گھر وجود میں آتا ہے تو ان میاں بیوی کے ہاں بھی اولاد ہوتی ہے، تو نیچے رشتوں کی چوتھی سمت وجود میں آجاتی ہے۔ ان چاروں جہات میں رشتوں کا توازن ہی اسلام کے سماجی نظام کی پہچان ہے۔ اگر ان رشتوں کے درمیان عدم توازن ہو جائے تو یہ نظام قائم (intact) نہیں رہتا۔

قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع کی ابتدائی آیات میں والدین کے حقوق کا ذکر ہے اور سورۃ التحریم کی آیت ۶ میں اہل و عیال کے حقوق کا تذکرہ۔ پہلے آیئے سورۃ بنی اسرائیل کی آیات کی طرف۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ﴾

(آیات : ۲۳-۲۵)

"تیرے رب نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر پہنچے تمہارے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو تو ان سے اف تک نہ کہو اور انہیں جھڑکو نہیں اور ان سے نرم بات کہو اور اپنے دونوں شانوں کو شفقت اور رحمت کے ساتھ ان کے سامنے جھکائے رکھو اور دعا گو رہو کہ اے میرے رب ان دونوں پر اسی طرح اپنی مہربانی کا سایہ کئے رکھ جیسے (رحمت و شفقت کے سائبان کے نیچے) انہوں نے جب میں چھوٹا تھا میری تربیت کی

تھی۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک بن جاؤ تو یقیناً وہ توبہ کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے"۔

پھر سورۃ التحریم کی آیۂ مبارکہ میں ارشاد فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾

"اے ایمان والو! بچاؤ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو ایک ایسی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر کچھ تند خو اور سخت فرشتے مقرر کئے گئے ہیں جو اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے' بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

مغرب کا معاشرتی نظام

یہ دو اطراف ہیں جن سے ایک شخص کو اپنی معاشرتی زندگی میں بیک وقت واسطہ پڑتا ہے۔ اس کے لئے ایک نظام تو وہ ہے جو مغرب نے وضع کیا ہے۔ اس کے مطابق ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان میاں بیوی کا جو تعلق ایک دفعہ قائم ہو جائے انسان بس اسی کا ہو کر رہ جائے اور والدین کو تو بالکل چھوڑ ہی دیا جائے۔ البتہ اولاد اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے والدین سے متعلق رہے' اس کے بعد وہ بھی آزاد شمار ہو' یہاں تک کہ اس کے بعد اگر بچہ والدین کے پاس رہنا چاہے تو "paying guest" کی حیثیت سے رہے۔ اور میاں بیوی کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اور جملہ اثاثہ جات علیحدگی کی صورت میں نصف نصف تقسیم ہو جائیں اور کسی ایک کے فوت ہونے کی صورت میں دوسرا بلا شرکتِ غیرے اس کا مالک بن جائے۔ اس کے برعکس اسلام میں ہر رشتے کا ایک مقام مقرر کیا گیا ہے اور اس کے حقوق بھی واضح کر دیئے گئے ہیں اور اس پر عائد ہونے والے فرائض بھی۔

والدین کے حقوق

والدین اپنے بچے کی بچپن میں جو پرورش اور نگہداشت کرتے ہیں اس کی بنیاد پر قرآن مجید میں ان کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر زندگی کی کسی سٹیج پر وہ تمہارے سامنے اس

حال میں آئیں جیسے تم ان کے سامنے تھے کہ نہ چل سکتے تھے' نہ بیٹھ سکتے تھے' نہ کھا سکتے تھے' نہ پی سکتے تھے' غرضیکہ اپنی صفائی اور طہارت سے بھی قاصر تھے' تو اب تم پر از روئے قرض یہ لازم ہے کہ ان کی تمام پہلوؤں سے نگہداشت کرو۔ گویا ان کے لئے معاشی جدوجہد سے لے کر رفع حاجت اور طہارت تک میں ان کے کام آؤ' جیسے انہوں نے' بالخصوص تمہاری والدہ نے تمہارے لئے کیا تھا۔ از روئے قرآن یہ والدین کے ساتھ کوئی favour نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔ اپنے دونوں بازوؤں کو ان کے لئے جھکائے رکھنا استعارہ ہے مرغی کی مانند ان کو اپنے پروں میں پناہ دینے سے اور اسی کا حکم سورۃ بنی اسرائیل کی متذکرہ بالا آیات میں دیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ ذمہ داری بالعموم اولاد کی ہے' لیکن زیادہ غور سے دیکھا جائے تو یہ اصلاً بیٹے کی ذمہ داری ہے' کیونکہ بیٹی تو والدین کے گھر سے رخصت ہو جاتی ہے اور کسی اور مرد کا گھر جا کر آباد کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی والدہ اور والد کے ترکے میں سے بھی اس کا حصہ اپنے بھائی کے مقابلے میں نصف ہے' لہٰذا ان کی خدمت کی ذمہ داری بھی اسی نسبت سے کم ہو جائے گی۔ رہی بہو تو وہ نہ تو اپنے سسر اور ساس کی وراثت میں حصے دار ہے اور نہ اس پر ان کی نگہداشت کی کوئی ذمہ داری ہے۔ لیکن عورت اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتے ہوئے اس کو معاشی دوڑ دھوپ کے لئے فارغ کر دے اور اس کے behalf پر گھر میں موجود اس کے والدین کی نگہداشت کرے تو یہ اس عورت کا اپنے شوہر پر ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس طرح وہ اپنے والدین کے حقوق ادا کر سکے گا۔ بالفعل معاملہ یہ ہے کہ ایک گھر کی بیٹی کسی دوسرے گھر میں اور اس گھر کی بیٹی کسی تیسرے گھر میں جاتی ہے تو اگر ہر عورت یہ محسوس کرے کہ جیسے میرے بھائی کی بیوی میرے والدین کی خدمت کر رہی ہے ویسے ہی مجھے اپنے شوہر کے والدین کی خدمت کرنا ہے' اگرچہ یہ میری براہ راست ذمہ داری نہیں' میں یہ کام اپنے شوہر کو اللہ کے عذاب میں مبتلا ہونے سے بچانے کی خاطر کر رہی ہوں تو عورت کو معلوم ہو گا کہ وہ یہ کام کس capasity میں کر رہی ہے اور شوہر بھی اس کا ممنون احسان ہو گا اور اس کی بنیاد پر وہ اس کو اپنی خدمت سے کچھ ریلیف دے گا' گھر میں بچوں کی دیکھ بھال میں اور کبھی بیوی کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے حضور ﷺ کی سنت کے

مطابق گھر میں جھاڑو لگانے اور چولھے میں آگ جلانے پر بھی اس کی طبیعت آمادہ ہوگی۔

اولاد کے حقوق

اس کے بعد آتا ہے معاملہ حقوقِ اہل و عیال کا' یعنی انسان پر از روئے دین بیوی بچوں کے کیا حقوق ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ایک باپ کی اپنی اولاد کی طرف سے اور ایک شوہر کی اپنی بیوی کی جانب سے اصل ذمہ داری تو انہیں جہنم کی آگ سے بچانا ہے۔ اسی لئے ابتداء میں سورۃ التحریم کی آیت نمبر ۶ پیش کی گئی تھی کہ اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن بننے والے ہیں انسان اور پتھر۔ باقی ذمہ داریاں جو معلوم و معروف ہیں یعنی ان کے لئے روٹی کپڑا' مکان اور حفاظت کا انتظام بھی اس کی ذمہ داری ہے لیکن جس حد تک ہو سکے' کیونکہ ان تمام کے لئے ایک عنوان ہے معیشت اور رزق کے وسائل کی فراہمی اور رازق بلاشبہ اللہ ہی ہے' انسان کی تمام تر محنت اور دوڑ دھوپ کے بعد بھی انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ ان کے لئے طے کر دے۔ رہی تعلیم و تربیت تو اس میں بھی تربیتِ اولاد تو والد پر فرض ہے' تعلیم کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ تربیت کا مقصد ہوگا کہ اولاد کو انسان بنایا جائے۔ انسان بنانے کے لئے جس تعلیم کی ضرورت ہے' دینی یا دنیوی' اولاد کو اپنے وسائل میں رہتے ہوئے تعلیم دلانا بھی فرض ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر ان کو اللہ کی معرفت دلانا اور آخرت میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تعلیم دلانا بھی فرض ہے۔

شوہر اور بیوی --- حقوق و فرائض

اس کے بعد تیسرا اہم ترین رشتہ ہے شوہر اور بیوی کا۔ شوہر اور بیوی کے درمیان حقوق و فرائض کا معاملہ اس وقت کا سب سے حساس معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام کی رو سے خاندان ایک ادارہ ہے اور ادارہ کی سب سے اہم چیز اس کا ڈسپلن ہوتا ہے۔ کسی ادارے میں کام کرنے والے مختلف افراد انسان ہی ہوتے ہیں' ورکر بھی انسان ہوتا ہے اور ڈائریکٹر بھی۔ اسی طرح قاصد بھی انسان ہوتا ہے اور باس بھی۔ لیکن انسان ہونے کے اعتبار سے دونوں برابر ہونے کے باوجود اس

ادارے کے ڈسپلن کا تقاضا پورا کرتے ہوئے چھوٹا منصب رکھنے والا بڑا منصب رکھنے والے کا حکم مانتا ہے اور جب تک یہ کیفیت برقرار رہتی ہے اس ادارے کا نظام صحیح چلتا ہے۔ مزید یہ کہ ہر ادارے کا ایک ہیڈ ہوتا ہے اور باقی سب اس کے ماتحت۔ کوئی بینک اور مل بغیر مینیجر' کوئی کالج بغیر پرنسپل اور کوئی سکول بغیر ہیڈ ماسٹر کے نہیں چلتا۔ ایک دن کے لئے بھی ادارے کے ہیڈ کو چھٹی کرنا ہو تو اس کا انچارج مقرر کیا جاتا ہے۔ گھر کے ادارے کا بھی ایک سربراہ ہے اور وہ مرد ہے' اس کے تمام ماتحت بیوی بچے انسان ہی ہوتے ہیں' لیکن ان کو اس ادارے کے سربراہ کی اطاعت کرنا پڑتی ہے اور دوسرے اداروں کی طرح نہ تو گھر کے ادارے کا سربراہ super human ہوتا ہے اور نہ اس کے ماتحت sub human ہوتے ہیں' بلکہ سب شرفِ انسانیت میں بالکل مساوی ہوتے ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم ماچس' جوتوں اور کمپیوٹر بنانے والے اداروں میں سربراہ کے مقام اور اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں' لیکن انسانوں کی تخلیق کے ادارے کو سربراہ کے بغیر چلانا چاہتے ہیں۔ سکول میں ہیڈ ماسٹر' کالج میں پرنسپل' فرم اور بینک میں مینیجر اور فیکٹری اور مل میں مینجنگ ڈائریکٹر کی ضرورت اس ادارے کے نظام کو ہنگامے اور بے یقینی سے بچانے کے لئے ہوتی ہے کہ کوئی ایک شخص ذمہ دار ہو جو ہر طرف سے معلومات حاصل کر کے بالآخر فیصلہ کرے۔ بالکل یہی ضرورت ایک گھر کے اندر بھی ہے۔ اللہ نے "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" (مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں) کا حکم نازل فرما کر گھر کا ذمہ دار مرد کو مقرر کر دیا ہے' لہٰذا گھر کے معاملات میں آخری فیصلہ مرد کا ہو گا۔ عورت ایک انسان ہے' وہ بھی اپنی رائے دے گی' بچے بھی انسان ہیں' ان کی خواہش بھی سامنے آئے گی' لیکن آخری فیصلہ عورت نہیں مرد' اور بچے نہیں باپ یعنی گھر کا سربراہ کرے گا۔ البتہ جیسے ایک اچھا افسر' ایک اچھا باس' ایک اچھا مینیجر' ایک اچھا ڈائریکٹر اور ایک اچھا ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل اپنے رفقائے کار کو ساتھ لے کر چلتا ہے' گھر کے سربراہ کو بھی اپنے اہل خانہ کے اندر روزمرہ کے معاملات میں شمولیت کا احساس پیدا کرنا ہو گا' مختلف پروجیکٹس میں ان کی پیٹھ ٹھونکنا ہو گی اور ان کے اندر یہ احساس پیدا کرنا ہو گا کہ وہ اس گھر میں صرف کسی غلام کی حیثیت سے نہیں رہ رہے بلکہ یہاں ان کا بھی باعزت مقام ہے' ان

کی بات بھی سنی جاتی ہے اور اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جب کسی گھر کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگی تو وہ گھر یقیناً جنتِ ارضی بن جائے گا۔ اور اس کے برعکس اگر گھر میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوگی تو گھر دنیا میں ہی جہنم کا نقشہ پیش کرنے لگے گا۔

خاندان کے سربراہ کے لئے قرآن کی ہدایات

قرآن مجید اس معاملہ میں جو ہدایات ایک مسلمان گھرانے کے سربراہ کو دیتا ہے ان میں سورۃ التغابن کی آیات بہت اہم ہیں۔ ارشاد ہوا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

"اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں' تو تم ان سے ہوشیار رہو! اور اگر تم ڈھیل دے دو' چشم پوشی کر لو اور (معاملے کو) ڈھانپ دو (بخش دو) تو اللہ تعالیٰ بھی ڈھانپنے والا (بخشنے والا) مہربان ہے"۔

مزید ارشاد فرمایا :

﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے"۔

ان آیاتِ مبارکہ میں مال اور اولاد کی بنیاد پر انسان کی آزمائش کے اصل الاصول کو بیان فرما کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اللہ نے مال اور اولاد کی بے پناہ محبت انسان کے دل میں ڈال دی ہے اور اس محبت کے جذبے میں گرفتار ہو کر وہ اپنے نفع و نقصان سے غافل ہو سکتا ہے' لہٰذا یہ اس کے لئے ایک مخفی خطرہ ہیں۔ مزید برآں گھر کے افراد اولاد اور بیوی دونوں ہی اس سے بے پناہ محبت بھی رکھتے ہیں اور دونوں جذباتی بھی نسبتاً زیادہ ہیں' لہٰذا ان کی طرف سے آنے والے تقاضے اور خواہشات جذبات پر مبنی ہوتے ہیں اور انسان کے لئے ایک کشش رکھتے ہیں۔ لہٰذا اندیشہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کی خواہشات کو اگر بغیر

سوچے سمجھے پورا کرے اس معاملے میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنے کے سبب دنیا اور آخرت کے خسارے سے دوچار ہو جائے۔ لہٰذا مسلمان گھرانے کے سربراہ کو چوکس رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ چوکس رہنے سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ گھر کو میدان جنگ بنا دیا جائے یا اپنے اہل و عیال کو بار بار ٹوک کر یا ڈانٹ کر یا تو ڈھیٹ بنا دیا جائے یا ان کی زبان بندی کر دی جائے۔ نوٹ کیجئے محولہ بالا آیات میں عفو' صفح اور مغفرت کے الفاظ مبارکہ وارد ہوئے ہیں۔ عفو کے معنی ہیں ڈھیل دینا۔ صفح کے معنی ہیں چشم پوشی یا سنی ان سنی کر دینا اور مغفرت کے معنی ہیں ڈھانپ دینا۔ اس طرح یہ تینوں تقریباً ایک ہی جیسے مفہوم کے الفاظ ہیں۔ ایڈمنسٹریشن کے اندر بھی یہی اصول کارفرما ہے کہ اگر آپ کے کسی ماتحت سے کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو تو یہ لازم نہیں ہوتا کہ اس پر کوئی ایکشن ہی لیا جائے' کبھی کبھی جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا جائے' کبھی معاملے کو ڈھانپ دیا جائے۔

"اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا اور مہربان ہے"۔ یہ اشارہ بھی بہت اہم ہے کہ عام طور پر انسان جب اپنے ماتحتوں پر برہتا ہے تو دل میں یہ احساس لئے ہوئے ہوتا ہے کہ میں غلطی یا نقص سے پاک آدمی ہوں اور جب اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر مغفرت کی دعا مانگتا ہے تو اپنے رب سے کہتا ہے کہ میں بہت گنہگار ہوں' میں کمزور ہوں' مجھ میں یہ خامی اور یہ کوتاہی ہے' تو مجھے معاف فرما۔ تو انسان اپنے معاملے میں عفو و درگزر کا طالب ہوتا ہے جبکہ دوسروں کو معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اس میں مزید غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ درگزر دفتر میں اپنے ماتحتوں سے درگزر کے مقابلے میں کہیں زیادہ مطلوب ہے' اس لئے کہ یہ اپنے ہیں اور سربراہ سے محبت کرنے والے ہیں اور اسے دل کی گہرائیوں سے چاہنے والے ہیں۔

اس طرح اسلام کے نظام معاشرت میں ایک طرف بیوی بچوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر اور والد کا حکم مانیں اور دوسری طرف اس کو بیلنس کیا گیا ہے مرد کو یہ احساس دلا کر کہ اس کا کام صرف حکم چلانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں میں یہ احساس پیدا کرے کہ ان کا باپ واقعی ان سے محبت کرتا ہے اور واقعتاً ان کے مستقبل کی فکر رکھتا ہے اور وہ ان پر واقعی بہت مہربان اور شفیق ہے۔ اس صورت میں کبھی باپ ڈانٹے گا

بھی تو اس کی ڈانٹ سے مثبت اثرات مترتب ہوں گے اور کوئی منفی اثر ظاہر نہ ہو گا۔ اسی طرح کبھی ادب سکھانے کے لئے ان کی پٹائی بھی کی جائے گی تو بلاشبہ مفید ہو گی۔ بعینہٖ یہ کیفیت بیوی کے معاملے میں بھی ہو گی۔ اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ کو یہ احساس دلا دے کہ وہ اس کا خیر خواہ ہے' اس کے جذبات کی قدر کرنے والا ہے' اس کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے تو اس کی اہلیہ لازماً اپنے اندر اس کی اطاعت کے لئے آمادگی پائے گی اور کسی موقع پر اس کی سرزنش تک پر برا نہیں مانے گی۔

یہاں ایک بات نوٹ کیجئے' بیویوں اور اولاد دونوں کے بارے میں بالخصوص یہ بات کہی گئی ہے کہ ان سے درگزر کا معاملہ کرو اور چشم پوشی اور مغفرت کے ساتھ پیش آؤ' اس لئے کہ ان دونوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں نسبتاً زیادہ جذباتی ہیں۔ از راہ محبت ہر بیوی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شوہر زیادہ سے زیادہ وقت اس کے پاس گزارے' اسی لئے ہر عورت کو اپنے شوہر کا گھر سے باہر رہنا' خواہ وہ معاش کے لئے ہو' دل سے پسند نہیں ہوتا۔ اسی طرح بچے کی بھی بہت سی خواہشات اس کی جذباتیت اور کم عقلی کا مظہر ہوتی ہیں۔ لیکن ایک سمجھ دار باپ بچے کو الاؤنس دیتا ہے کہ کوئی بات نہیں' بچہ ہے' کم عقل ہے' جذباتی ہے۔ اسی طرح وہ عورت کے نیک جذبے کی بھی قدر کرتا ہے کہ اگر میری بیوی مجھ سے تقاضا کرتی ہے کہ میں زیادہ دیر اس کے پاس رہوں تو وہ صرف مجھ سے محبت کی بنیاد پر ایسا کرتی ہے' ورنہ نہ تو وہ میری معاش کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتی ہے اور نہ میری سوشل لائف اور میرے کسی مشن کو۔ اسی طرح قرآن مجید میں توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے سے پہلے غور کرو کہ جس کمی کی وجہ سے تم انہیں ناپسند کر رہے ہو اس کے مقابلے میں ضرور تمہیں کوئی بات ان میں ایسی نظر آئے گی جس کی وجہ سے تم انہیں اپنے گھر میں رکھنا چاہو گے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو دو ہی ایسی خواتین ہیں جو ہر وقت اس کی خیر خواہی کے لئے دل سے دعا گو رہتی ہیں اور وہ ہیں اس کی ماں اور اس کی بیوی۔ ماں کے اکثر و بیشتر اور بھی بچے ہوتے ہیں تو اس کے جذبات تقسیم ہو جاتے ہیں لیکن بیوی اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ فکر مند اور بے چین رہتی ہے' اس کے دل کو ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے' نہ جانے کیا ہو جائے۔ شہروں کے ہنگامے اور ٹریفک

حادثات کو ذہن میں لا کر ماں اور بیوی اپنے بیٹے اور شوہر کی بخیریت آمد کی طالب رہتی ہیں --- لہٰذا قرآن مجید ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرو' بچے تو پھر بھی چھوٹے ہوتے ہیں' لیکن عورت خواہ مرد کی ہم عمر ہی کیوں نہ ہو اور زیادہ پڑھی لکھی کیوں نہ ہو' جذباتیت میں ایسی باتیں کرتی ہے جس پر مرد کو غصہ آتا ہے' لیکن حکم دیا جارہا ہے کہ تم اس کو اپنے شعور کی سطح پر نہ جانچو بلکہ اس کی جذباتی سطح پر آکر جائزہ لو تو دراصل وہ تم سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ایسا کر رہی ہوتی ہے' لہٰذا برداشت کرو' تحمل سے کام لو' بلکہ جواباً اپنے بیوی بچوں کے حق میں دعا کرو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مشکل کام ہے' لیکن مرد کو اپنی مردانگی ثابت کرنے کے لئے اس عظمت کا مظاہرہ بہرحال کرنا ہوگا۔

نسبتی رشتے اور اسلام کی تعلیمات

اس کے بعد آتے ہیں دوسرے نسبتی رشتے (IN LAWS) ان میں سسر اور ساس اور بہو اور داماد (جن پر پہلے بحث ہو چکی) کے بعد اب آیئے شوہر اور بیوی کے بہن بھائیوں اور پھر بقیہ عزیز و اقارب کی طرف۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ والدین اور اولاد کا رشتہ براہ راست رشتہ ہوتا ہے' جبکہ بہن بھائی کے ساتھ انسان کا رشتہ والدین کی وساطت سے استوار ہوتا ہے' لہٰذا بہن بھائی کے رشتے میں والدین کے مقابلے میں دوری ہے۔ ہر شخص اپنے بہن بھائی تک پہنچنے کے لئے ایک درجہ اوپر چڑھ کر اپنے والدین تک پہنچتا ہے' پھر ایک درجہ نیچے آکر ان تک پہنچتا ہے' لہٰذا یہاں وہ درجوں کا فصل ہے جبکہ میاں اور بیوی کے لئے ایک دوسرے کے بہن بھائی ایک درجہ اور دور ہو جاتے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ اس میں جہاں تمام رشتوں کے حقوق برابر نہیں ہیں' وہاں ان کے ساتھ میل جول اور اٹھنا بیٹھنا بھی ایک سا نہیں ہے۔ مثلاً رشتہ جس قدر قریبی ہے اس سے زائد تعلق اس کا حق نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات اس پر پابندی ہے۔ نسبتی بہن بھائیوں سے تعلق اپنے بہن بھائیوں کا سا نہیں ہو سکتا۔

رشتوں کی تقسیم اور قانون وراثت

رشتوں کی یہ تقسیم اسلام کے قانون وراثت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دائرے ہیں جو کھینچ دیئے گئے ہیں۔ وراثت کے بہت سے معاملات میں نظر آتا ہے کہ انسان کے اصل تعلق تو دو ہی ہیں' والدین اور اولاد' باقی سب ان کے بعد ہیں۔ مثلاً مرنے والے کے قریب ترین (immediate) رشتہ دار کون ہیں؟ اوپر کی طرف اس کے والدین' نیچے کی طرف اس کی اولاد اور افقی سمت میں بیوی یا شوہر۔ ان میں بیوی یا شوہر کی عدم موجودگی میں تو وراثت IN LAWS کو نہیں جائے گی' البتہ والدین اور اولاد کی عدم موجودگی میں وراثت دادا / دادی اور پوتا / پوتی کو منتقل ہوگی' ورنہ نہیں۔ مثلاً اگر مرنے والے کے والدین موجود ہوں گے تو وہی اپنے حصے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ موجود نہ ہوں تو دادا دادی وراثت میں حقدار ہوں گے۔ اسی طرح اولاد کے دائرے میں اگر کوئی موجود ہو گا تو پوتا پوتی محروم رہیں گے اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو گا تو پوتے اور پوتیاں وارث بنیں گے۔

ستر و حجاب کے احکام

اسی دوری کی بنیاد پر اسلام میں ایک اور پابندی عائد کی گئی ہے اور وہ ہے ستر و حجاب کی پابندی۔ جہاں تک ستر کا تعلق ہے وہ تو یہ ہے کہ جسم کے کچھ حصے مرد اور عورت پر ہر حال میں ڈھانپنے فرض ہیں' انہیں شریعت کی اصطلاح میں ستر کہتے ہیں۔ اس حکم سے استثناء صرف رشتہ ازدواج ہے یا پھر ایمرجنسی اور طبّی یا انصاف کی ضرورت۔ یعنی انسانی جان بچانے کی خاطر کسی بھی مکان میں کود کر انسان کی جان بچائی جا سکتی ہے' طبی ضرورت کے تحت معالجین کے سامنے ستر کھولا جا سکتا ہے اور عدل و انصاف کے تقاضوں میں اگر ضرورت داعی ہو تو اس کی اجازت ہے۔ اس کے بعد معاملہ آتا ہے حجاب کا۔ رشتوں میں ایک خاص حد ہے کہ اس درجے تک رشتے محرم ہیں' ان کے درمیان کسی بھی سطح پر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد کے درجات محرم نہیں ہیں' ماسوائے عمودی رشتوں کے کہ ان میں حرمت لامحدود ہے' یعنی ماں باپ' دادا دادی' نانا نانی اوپر جہاں تک چلے جائیں اور بیٹا

بیٹی اور پوتا پوتی' نواسہ نواسی جہاں تک چلے جائیں حرمت ہی حرمت ہے۔ لیکن اطراف کے رشتوں میں حرمت صرف دو رشتوں کی ہے' تیسرے رشتے میں حرمت کی قطعیت ختم ہو جائے گی۔ درمیان میں رضاعت آجائے یا رشتہ ازدواج آجائے تو بات دوسری ہو گی۔ جہاں تک شادی بیاہ کا تعلق ہے تو جب تک پہلا رشتہ برقرار رہے گا تیسرا رشتہ حرام ہو گا' یعنی بیوی کی بہن' بھانجی' خالہ اور پھوپھی حرام ہوں گی۔ جب پہلا رشتہ منقطع ہو گا (بیوی کی موت یا طلاق کی صورت میں) تو وہ عام عورتوں کی سطح پر آجائیں گی۔ رشتوں کی اس تقسیم کے ساتھ بندھا ہوا شریعت میں ستر و حجاب کا قانون ہے اور یہ قانون بہت اہم ہے۔ اس کے احکامات کے ساتھ اس کی حکمت کا سمجھنا بھی اس دور کی ایک اہم ضرورت ہے۔

مرد اور عورت کی نفسیاتی ساخت میں فرق

مرد اور عورت کی تخلیق اور نفسیات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت صرف جسم کے چند اعضاء اور داڑھی مونچھ ہی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں' بلکہ یہ دونوں وجود بالکل ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سائنس کی زبان میں تو ہم یوں کہیں گے کہ مرد کے جسم کا ہر ہر خلیہ (Cell) عورت کے جسم کے خلیوں سے مختلف ہے' کیونکہ مرد کے خلئے XY قسم کے کروموسومز (chromosomes) لئے ہوئے ہیں اور عورت کا ہر ہر خلیہ XX قسم کے کروموسومز لئے ہوئے۔ لہٰذا دونوں وجود اپنی تخلیقی ساخت میں بظاہر بہت زیادہ مشابہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے جب ہم جذبات اور ان پر قابو پانے کے حوالے سے ان دونوں پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ عورت نسبتاً زیادہ جذباتی ہے' اور مرد اپنے جذبات پر نسبتاً زیادہ قابو رکھنے والا۔ اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی اس صلاحیت ہی کو عربی زبان میں "عقل" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا اگر جذبات انسانی شخصیت میں گاڑی کے accelerator کے مشابہ ہیں تو عقل اس کی بریک ہے۔ جدید عربی میں بریک اور پارکنگ کے لئے لفظ وقوف استعمال ہوتا ہے اور اردو میں بے وقوف بے عقل کو کہا جاتا ہے۔ اس ناچیز کے خیال میں حضور ﷺ کے اس مشہور فرمان میں' جس کے اندر آپ ﷺ

نے عورت کو "ناقص العقل" قرار دیا ہے' عقل کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ ذہانت کے معنوں میں۔ علامہ اقبال کے اشعار میں بھی "عقل و عشق" کے عنوان سے انسان کی انہی دو faculties کے باہمی فرق کو نمایاں کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں سورۃ الحج کی آیت نمبر ۲ میں قیامت کے عظیم زلزلہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ

"تم اس دن دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی (اپنے بچے کو) دودھ پلانا بھول جائے گی اور حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور لوگوں کو دیکھو گے کہ نشے میں ہیں' حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب شدید ہے"۔

شراب کے نشہ میں انسان بے ہوش نہیں ہوتا بلکہ مدہوش ہوتا ہے اور اس میں شراب اس کے دماغ میں جسم کی حرکات کو کنٹرول کرنے والے higher center کو متاثر کر دیتی ہے جس سے ان کا حرکت پیدا کرنے والے Lower center پر کنٹرول ڈھیلا پڑ جاتا ہے' لہٰذا وہ غصہ' محبت اور جنس جیسے جذبات کا بے دھڑک اظہار کرتا ہے۔ سورۃ الحج کی محولہ بالا آیت مبارکہ پر غور کرنے سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں' پہلی تو یہ کہ اس میں پہلی دو باتیں عورتوں سے متعلق ہیں اور اس آیت میں "الناس" (لوگ) سے مراد مرد ہیں' جیسے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴ میں "الناس" سے مراد مرد ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس میں مرد اور عورت دونوں کے اعلیٰ ترین اوصاف سے تہی دامن ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ مرد کا اعلیٰ ترین وصف عقل اور عورت کی سب سے اہم صفت مانا ہے' جو کہ مرد کی سب سے اہم "خواہش" بھی نہیں ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد ہوا:

"لوگوں (مردوں) کے لئے پرکشش بنائی گئیں ان کی ان خواہشات کی محبتیں جو انہیں لاحق ہیں عورتوں' بیٹوں' سونے چاندی کے ڈھیروں (مال و دولت)' نشان زدہ (عمدہ نسل کے) گھوڑوں (عمدہ سواری) اور مویشیوں اور کھیتی سے"۔

مرد کی شخصیت--- آئینہ قرآنی میں

اس آیت مبارکہ میں مرد کی شخصیت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ بہت جامع ہے اور انسان کی ایسی مکمل تصویر تو اس کا خالق ہی کھینچ سکتا ہے۔ اس میں جس ترتیب کے ساتھ مرد کی خواہشات کا تذکرہ ہے وہی ترتیب مرد کی دلچسپی میں کمیت کے اعتبار سے بھی نظر آتی ہے

اور ایک شخص کی زندگی میں زمانی ترتیب کی بھی خبر دیتی ہے۔ ایک تو یہ کہ مرد سب سے زیادہ عورت کے پیچھے بھاگتا ہے' پھر وہ اولاد کے مستقبل کی فکر کرتا ہے' پھر بینک بیلنس اور اچھی سواری کی دھن اس پر سوار ہوتی ہے اور زندگی کی آخری سٹیج پر وہ جائیداد اور حویلی کا خواہشمند نظر آتا ہے۔

لیکن بلاشبہ انسان کی سب سے زوردار اور سب سے اہم خواہش جنسی خواہش ہی ہے۔ ہم میں سے ہر مرد اپنے گریبان میں جھانکے تو وہ قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ واقعی جنسی خواہش ایک انتہائی زوردار خواہش ہے۔ اس کے جذبات واحساسات ایک مرد سے گفتگو کرتے ہوئے اور ایک عورت سے گفتگو کرتے ہوئے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ وہ سو آدمیوں کی پاؤں کی آہٹ کا نوٹس نہیں لیتا' لیکن ایک عورت کے چلنے کی آواز پر اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن مجید اصلاً "کتابِ ہدایت" ہے' اس میں وارد ہونے والے واقعات بھی اصلاً "هُدًى لِّلنَّاس" اور "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" ہیں' لہٰذا سورۂ یوسف میں بیان ہونے والا احسن القصص بھی اصلاً ہدایت ہے۔ یاد رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود بھی نبی یعنی انتہائی متقی انسان تھے' ساتھ ہی آپؑ ایک نبی حضرت یعقوبؑ کے بیٹے ایک دوسرے نبی حضرت اسحٰقؑ کے پوتے اور ابوالانبیاء امام الناس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے' لیکن آپؑ نے نہ تو اپنی ذاتی حیثیت پر ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا مظاہرہ کیا اور نہ اپنی خاندانی پس منظر پر (جیسا کہ ہمیں عام طور پر ہوتا ہے) بلکہ آپؑ نے صاف صاف فرمایا : وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ (ترجمہ) : "اور میں بھی اپنے نفس سے مبرا نہیں ہوں' میرا نفس بھی مجھے برائی کا حکم دیتا ہے' سوائے اس کے کہ میرا رب مجھ پر رحم کرے" اور جوں ہی آنجنابؑ نے محسوس فرمایا کہ ان پر جنسی تشویق و ترغیب کا گھیرا تنگ کرنے کی چالبازی کی جا رہی ہے تو فوراً دست بستہ پکار اٹھے کہ : رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ (ترجمہ) : "اے میرے مالک جدھر مجھے یہ عورتیں بلا رہی ہیں' اس سے مجھے جیل اچھی ہے اور اگر تو نے ان عورتوں کی چالبازی کو

مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جذباتی ہو جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا"۔

عورت کے معاملے میں مرد کی عیّاری

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ کہ مرد کے جذبات پر اس کی عقل کی گرفت نسبتاً زیادہ مضبوط ہوتی ہے' لہٰذا وہ اس معاملے میں چالاکی اور عیاری کا راستہ اختیار کرتا ہے اور اپنی خواہش کا عورت کے سامنے براہ راست اظہار نہیں کرتا بلکہ جس طرح عقلمند والد اپنی اولاد کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ وہ خود ہی اس کی خواہش کے مطابق ڈھلتی چلی جائے' مرد بھی عورت کا محسن بن کر سامنے آتا ہے' اس کو کبھی آزادی کی لوری دیتا ہے' کبھی جدیدیت کی طرف مائل ہونے کی ترغیب دلاتا ہے۔ نتیجتاً یہ جذباتی مخلوق بچوں کی سی معصومیت کے ساتھ مردوں کی آلہ کار بن جاتی ہے۔ چونکہ خود عورت میں جذبہ جنس مامتا کے مقابلے میں خوابیدہ ہوتا ہے لہٰذا عام طور پر وہ ایسا ہرگز کسی جنسی جذبے سے نہیں کرتی۔ لیکن اس کے غیر مستور اور بے حجاب باہر آنے سے مرد بھرپور لطف اندوز ہوتا ہے۔ غور کیجئے' یورپ اور امریکہ کے سرد مقامات پر جہاں مرد خود تو جرابوں اور فل شوز سے لے کر نیکٹائی اور پھر ہیٹ بھی پہنتا ہے' لیکن عورت کے لئے اس نے جو لباس تجویز کر رکھا ہے اس میں اس بے چاری کی ٹانگیں ننگی اور گریبان کھلا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں پنجاب اور سندھ میں موسم گرما کے اندر دوپہر کے وقت اگر کسی چوراہے میں ٹریفک جام ہو جائے تو چپل یا سینڈل کے ساتھ وہاں موجودگی خاصی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے' لیکن وہیں ہماری بہنیں اور بیٹیاں ننگے بازوؤں اور ننگے سروں کے ساتھ موٹر سائیکل پر سفر کرنے میں خوشی محسوس کر رہی ہوتی ہیں۔ یقیناً وہ بھی سردی اور گرمی کو محسوس کرتی ہیں' لیکن وہ مردوں کی ہوشیاری کا شکار ہو چکی ہیں۔

مرد چاہتا یہ ہے کہ وہ ہر عورت سے مختلف سطحوں پر جنسی لذت تو حاصل کرے لیکن اس کے عوض اسے عورت کو کچھ دینا نہ پڑے' جبکہ اسلام عورت پر یہ پابندی لگاتا ہے کہ

(باقی صفحہ ۴۷ پر)

نفاق کی نشانیاں

تالیف : فضیلۃ الشیخ الاستاذ عائض عبداللہ القرنی

ترجمہ وحواشی : ابوعبدالرحمن شبیر بن نور

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس' اس کے اسماء حسنیٰ و صفاتِ مبارکہ' اس کی طرف سے مبعوث کردہ رسولوں' فرشتوں' کتابوں' یوم آخرت' حساب و میزان اور جنت و دوزخ کو صدق دل سے تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے اور ایسے مخلص اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے "حزب اللہ" قرار دیا ہے اور انہیں دنیا میں امن و سکون اور آخرت میں کامیابی و کامرانی کی خوشخبری سنائی ہے۔

اس کے برعکس ان تمام کی تمام ایمانیات یا ان میں سے کسی ایک کے صریح انکار کا نام کفر ہے۔ اہل کفر کو اللہ تعالیٰ نے "حزب الشیطان" قرار دیا ہے۔ دنیا میں یہ گروہ بدامنی و بے سکونی کا شکار رہے گا اور آخرت میں عذاب الٰہی اور دائمی و ابدی دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

حقیقت میں کرۂ ارضی پر یہی دو گروہ پائے جاتے ہیں' ایک "حزب اللہ" دوسرا "حزب الشیطان"۔ البتہ دنیا میں بظاہر ایک تیسرا گروہ بھی نظر آتا ہے جو درحقیقت "حزب الشیطان" کا ہی حصہ ہے۔ یہ گروہ بظاہر اہل اسلام والا جامہ پہن لیتا ہے لیکن وہ پکا کافر ہونے کے ساتھ ساتھ بزدل' کینہ پرور' مفاد پرست اور خود غرض ہوتا ہے اور یہ ہے منافقوں کا گروہ۔ یہ لوگ کافر تو ہیں ہی' اس پر مستزاد اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں' اسی لئے ان کی سزا کافروں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا﴾ (النساء : ۱۴۵)

"یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے"۔

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں اگر چشمِ تصور سے جہنم کا نقشہ دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے :

(ا) جہنم کی سب سے اوپر والی سطح پر گناہ گار اہل ایمان ہوں گے جو اپنے اپنے قصور کی سزا پاکر بالآخر جنت میں چلے جائیں گے۔

(ب) ان کے نیچے دوسری تہہ میں وہ کافر ہوں گے جو اعلانیہ کفر کیا کرتے تھے۔

(ج) اور ان کے بھی نیچے تیسری اور سب سے نچلی تہہ میں منافق ہوں گے جو پکے اور حقیقی کافر ہونے کے ساتھ ساتھ بزدل' چالاک و عیار اور مفاد پرست بھی ہیں۔

دنیا میں علی الاعلان کافروں کا معاملہ تو بہت واضح ہے' ان کے معاملے میں کوئی شخص دھوکہ نہیں کھا سکتا' البتہ جو لوگ کافر ہونے کے باوجود اسلام کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں ان کا فیصلہ کرنا انتہائی دشوار ہے' کیونکہ کسی کا دل چیر کر یا اس کے دماغ کا آپریشن کر کے تو اس کے ایمان و کفر کا فیصلہ نہیں جا سکتا۔ البتہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں منافقین کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ انہی نشانیوں کی روشنی میں کسی کو منافق سمجھا جا سکتا ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں آدمی میں فلاں علامت منافقوں والی ہے۔ البتہ کسی کے منافق ہونے کا فتویٰ پھر بھی نہیں لگایا جا سکتا' کیونکہ اس کا تعلق علم غیب سے ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا .... فضیلت الشیخ العلامہ عائض عبداللہ القرنی نے اپنے ایک علمی خطاب میں منافقوں میں پائی جانے والی نشانیوں اور علامتوں کی طرف نشاندہی کی ہے جو "ثلاثون علامة للمنافقين" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ یہ کتابچہ عرب دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بہت تھوڑے عرصے میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ مفید جان کر میں نے اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اسے نہ صرف پسند کیا جائے گا بلکہ اس کتابچے میں مذکور ایمان کی بیماریوں کو پہچان کر متاع ایمان کے قدر دان حضرات ان

بیماریوں سے بچنے کی بھی از حد کوشش کریں گے اور ان کاموں میں احتیاط برتیں گے جو کسی معنی میں نفاق کی نشانی بن سکتے ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور سب سے پہلے مجھے اور قارئین کرام کو نفاق اعتقادی اور نفاق عملی سے محفوظ رکھے۔ نیز فضیلت الشیخ عائض عبداللہ القرنی کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس اہم اور علمی مضمون کو احسن طریقے سے بیان فرمایا ہے۔

وصلی اللّٰہ علٰی نبینا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

(مترجم)

☆ ☆ ☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ والسلام علٰی اشرف الانبیاءِ والمرسلین وعلٰی آلہٖ وصَحبہٖ اجمعین ومن تبعھم باحسانٍ الٰی یوم الدین ---اما بعد :

برادران اسلام! اس مختصر سی کتاب میں' میں "منافقین کی تیس (۳۰) نشانیاں" بیان کروں گا اور یہ تمام نشانیاں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوئی ہیں۔

نفاق سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور دعاگو ہیں کہ ہمیں اس مرض سے محفوظ رکھے' اور اس خطرناک بیماری سے ہمارے دلوں کو پاک کردے۔

قرآن کریم میں منافقوں کا تذکرہ

لفظ نفاق اور اس سے بننے والے الفاظ تینتیس (۳۷) مرتبہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ان سورتوں کے نام یہ ہیں : آل عمران' الحشر' التوبۃ'

الاحزاب' الفتح' الحدید' الانفال' المنافقون' النساء' العنکبوت' التحریم ۔ اور بعض سورتوں میں یہ لفظ بار بار استعمال ہوا ہے۔ نفاق کا اس قدر بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ منافقوں کا وجود اسلامی معاشرے اور اسلامی نظام کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ ہمیں منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے اور خود انہیں برباد کرے بلکہ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ اللہ ہی ہمارا کارساز ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔

نفاق کی قسمیں

اہل سنت والجماعت کے نزدیک نفاق کی دو قسمیں ہیں :

۱ ۔ اعتقادی نفاق : پہلی قسم اعتقادی نفاق کی ہے۔ یہ نفاق انسان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اور ایسا منافق آخرت میں آگ کی سب سے نچلی تہہ میں ہوگا۔ اعتقادی منافق اس شخص کو کہیں گے جو بظاہر دین کے تمام اصولوں پر ایمان کا اظہار کرتا ہو لیکن دلی طور پر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرے' یا آسمانی کتابوں کو جھٹلائے یا فرشتوں کے وجود کا انکار کرے یا جن اصول ایمان پر اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے ان میں سے کسی ایک کا دل سے انکار کرے۔ اس کے منافق ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝﴾ (البقرہ : ۸-۱۰)

"بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں' مگر دراصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں اس کی پاداش میں ان کے لئے دردناک سزا ہے۔"

ب ۔ نفاقِ عملی : دوسری قسم نفاق عملی کی ہے۔اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے :

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ' وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) [1]

"منافق کی تین نشانیاں ہیں : (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔"

اب میں تفصیل کے ساتھ ان تیس (۳۰) نشانیوں کو ذکر کرتا ہوں جو منافق کی پہچان ہیں :

پہلی نشانی

جھوٹ بولنا

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جھوٹ کفر کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔ امام صاحب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں کہیں نفاق کا ذکر کیا اس کے ساتھ ہی جھوٹ کا ذکر کیا ہے اور جب جھوٹ کا تذکرہ کیا تو اس کے ساتھ نفاق کو ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا' وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ فِى قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُوْنَ ○﴾

(البقرہ : ۸۔۱۰)

"وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں' مگر دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور بڑھا دیا اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں اس کی پاداش میں ان کے لئے دردناک سزا ہے۔"

اور سورت المنافقون میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ﴾

(المنافقون : ۱)

"اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔"

یہاں منافقوں کے تذکرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کذب (جھوٹ) کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں نفاق کا ذکر ہوا اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو کم یاد کرنے کا بیان ہوا۔ فرمایا :

﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (النساء : ۱۴۲)

"اور وہ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔"

اور جہاں ایمان کا تذکرہ ہوا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے کا ذکر ہوا۔ فرمایا :

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (المنافقون : ۹)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔"

ذکرِ الٰہی کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خصلتِ نفاق کی نفی کی ہے اور ذکرِ الٰہی میں کمی منافقوں کی پہچان بتائی ہے۔

جھوٹ کو نفاق کی علامت و نشانی قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا :

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ.....الخ)) [۲]

"منافق کی تین نشانیاں ہیں : جب بات کرے تو جھوٹ بولے.....الخ"

چاہے اس نے مذاق میں جھوٹ بولا' یا سنجیدگی سے جھوٹ بولا' کسی ضرورت کے تحت جھوٹ بولا یا چکر دینے کے لئے جھوٹ بولا' بہرحال اس میں نفاق کا حصہ شامل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل میں موجود نفاق کی وجہ سے ہی اس نے جھوٹ بولا ---- وَاللّٰهُ الْمُستعان

جھوٹ ایک واضح اور روشن نشانی ہے جو جھوٹے کے بارے میں نفاق کی گواہی دے

رہی ہے۔ مذاق مذاق میں جھوٹ بولنے کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ کچھ لوگ اس بات کا خیال نہیں رکھتے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

((وَیلٌ لِلَّذی یُحدِّثُ فیَکذِبُ لِیُضحِکَ بِہِ الْقَومَ' ویلٌ لہ' وَیل لَہٗ)) [۳]

"اس آدمی کے لئے تباہی ہے جو باتوں باتوں میں اس لئے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے۔ اس کے لئے ہلاکت ہے' اس کے لئے تباہی ہے"۔

جھوٹا ہر حال میں لعنتی ہے خواہ وہ سنجیدگی سے جھوٹ بولے یا مذاق میں۔ اس مذموم عادت سے بچ کر رہئے' اس لئے کہ نفاق کی ساری عمارت' اس کا مرکزی ستون' اس کا مرکز' اس کی جولان گاہ' اس کی جائے پناہ اور اس کا سہارا جھوٹ ہی پر منحصر ہے۔ منافقین دل میں موجود جھوٹ ہی کے بل بوتے پر نفاق کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ جھوٹ دل میں ایک قطرے سے شروع ہوتا ہے۔ پھر گہرا ہوتا چلا جاتا ہے اور پھیلتا ہے حتیٰ کہ نفاق کے قلعوں میں سے ایک قلعہ بن جاتا ہے-----اور اللہ کی پناہ اس حال سے۔

میرے دینی بھائیو! میں اپنی ذات کو اور اس کے بعد تم کو جھوٹ کے معاملے میں متنبہ کر رہا ہوں۔ جھوٹ کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہو کیونکہ وہ نفاق کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ جھوٹ کو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نشانی قرار دیا ہے۔ وہ اپنی گفتگو میں جھوٹے ہیں' اپنے کردار میں جھوٹے ہیں-----اور ہر معاملے میں جھوٹے ہی جھوٹے ہیں۔

دوسری نشانی

دھوکہ دینا

دھوکہ نفاق کی نشانی ہے اور اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے :

((وَ اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ)) [۴]

"اور جب معاہدہ کرتا ہے تو دھوکہ دے جاتا ہے۔"

جس نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ یا حکمران وقت کے ساتھ یا کسی مسلمان کے ساتھ معاہدہ کیا حتیٰ کہ جنگ میں کسی کافر کے ساتھ معاہدہ کیا اور پھر دھوکہ دیا' اس نے اپنی جان پر

نفاق کی گواہی' کردار سے ثبت کردی۔ اس کی دلیل حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب کسی کو امیر لشکر مقرر کر کے روانہ کرتے تو یہ ہدایت ضرور کرتے کہ :

"اور جب تم سے اہل قلعہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اترنے کی درخواست کریں تو تم انہیں اپنے ذاتی فیصلے پر اترنے پر آمادہ کرو' اس لئے کہ اگر تم اپنی ذمہ داری کو توڑ دو تو یہ اس کے مقابلے میں کہیں آسان اور ہلکا معاملہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کو تار تار کر دو۔" ۵

چنانچہ جس نے کسی آدمی سے' اپنی بیوی سے' اپنے بچے سے' اپنے ساتھی یا دوست سے یا حکمران سے معاہدہ کرنے کے بعد کسی شرعی عذر کے بغیر خیانت کی یا اس کی خلاف ورزی کی تو یہ نفاق کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے اور نفاق کی ایک علامت ہے ---- والعیاذ باللہ۔

تیسری نشانی

لڑائی جھگڑے میں بیہودہ گوئی کرنا (گالی دینا)

اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے :

((وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) ۶

"اور جب جھگڑا کرتا ہے تو گالی بکتا ہے"۔

اہل علم کہتے ہیں جس نے کسی مسلمان سے جھگڑا کیا پھر دوران جھگڑا گالی بکی' اس نے اللہ کو اپنے دل میں موجود کیفیت پر گواہ بنالیا کہ وہ فاجر اور منافق ہے۔

البتہ کافروں سے لڑائی کا معاملہ مسلمانوں کی لڑائی سے مختلف ہے۔ کافروں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

((اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ)) ۷

"جنگ میں دھوکہ جائز ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ (اس کی تفصیلات علیحدہ ہیں)۔ چنانچہ

اگر کسی نے کافروں سے خیانت کی تو (چونکہ ان سے جنگ کے دوران دھوکہ کرنا اور حیلہ کرنا جائز ہے) اس پر غدر و خیانت اور فسق کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔ یہ تو دھوکہ اور حیلہ ہے' لہٰذا کوئی حرج نہیں۔

چوتھی نشانی
وعدے کی خلاف ورزی کرنا

جس نے اپنے بھائی سے وعدہ کیا' پھر وقت مقررہ پر نہ پہنچا اس نے نفاق کے حصوں میں سے ایک حصہ پر عمل کیا۔

حسن سندوں کے ساتھ سیرت الرسول ﷺ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی سے ملنے کا وعدہ کیا۔ آپ ﷺ خود تو مقررہ وقت پر پہنچ گئے البتہ وہ آدمی نہ آیا۔ آپ ﷺ تین دن رات اسی جگہ پر اس کا انتظار کرتے رہے' اس کے بعد اس آدمی کو اپنا وعدہ یاد آیا تو وہ وہاں پہنچا' آپ ﷺ نے اسے کہا: "تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا"۔

جس نے وعدے کی خلاف ورزی کی اور ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا تو سمجھ لیں کہ اس میں نفاق کی علامت موجود ہے۔ مسلمانوں کے ہاں وعدے کے معاملے میں ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کا اکثر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ جو کوئی تم سے کسی وقت' دن یا جگہ کا وعدہ کرے پھر بغیر معقول عذر کے وعدہ خلافی کرے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کا حصہ موجود ہے۔ آئندہ کے لئے اس سے ہاتھ جھاڑ لو۔

ایک نیک آدمی کی عادت تھی کہ جب کسی مسلمان بھائی سے وعدہ کرتے تو ان شاء اللہ کہنے کے بعد فرماتے: یہ میرے اور تیرے درمیان کوئی پختہ وعدہ نہیں ہے' اگر ممکن ہوا تو آجاؤں گا اور اگر نہ آسکا تو معذور سمجھ لینا۔ یعنی مبادا خلاف ورزی ہو جائے اور اس کے اعمال نامے میں کہیں نفاق کا کوئی جزو نہ لکھ دیا جائے۔ والعیاذ باللہ۔

یہی عملی نفاق ہے جو کہ اکثر اوقات ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ فی زمانہ اکثر مسلمان کمزوری ایمان کی وجہ سے وعدہ خلافی کرتے ہیں' جھوٹ بولتے ہیں' فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں

اور دھوکہ دیتے ہیں۔

اس کے برعکس جب کوئی آدمی کافر ملکوں کا سفر کرتا ہے تو صرف مادی نفع کی خاطر ان کا ذمہ دارانہ رویہ اور وعدے کی پابندی دیکھ کر پکار اٹھتا ہے کہ بہت خوب! یہاں تو اخلاص' سچائی اور امانت پائی جاتی ہے۔ واپس آکر اللہ کے دشمنوں ملحدوں اور کافروں کی تعریف کے پل باندھنے لگتا ہے اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتا ہے۔

ایسے (ظاہر بین) آدمی کو ہمارا جواب ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ وہاں تم نے وہ لوگ دیکھے ہیں جو درہم و دینار کی خاطر معاملہ کرتے ہیں اور وہ لوگ مفاد پرست ہیں۔ اور یہاں ایسے لوگ ہیں جن کے پاس حقیقی اور کامل ایمان ہی سرے سے موجود نہیں' یہ اللہ کی مقرر کردہ شریعت و نظام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ خود مسلمانوں کی نظروں میں انہوں نے دین کی شکل بگاڑ کر رکھ دی ہے۔ (جاری ہے)

۱۔ صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامۃ المنافق۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق۔

۲۔ تخریج حدیث قریب ہی گزر چکی ہے۔

۳۔ مسند امام احمد ج ۵' ص ۳' ۵' ۶۔ استاذ الالبانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر حدیث نمبر ۱۳۶۷

۴۔ صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامۃ المنافق۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب خصال المنافق۔

۵۔ صحیح مسلم' کتاب السیر' باب تامیر الامراء علی البعوث

۶۔ صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامات المنافق۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق۔

۷۔ صحیح البخاری' کتاب الجہاد' باب الحرب خدعۃ۔ صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب جواز الخداع فی الحرب

قتل مرتد ـــــ عقلی جواز

مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی نگارشات

مرتب : محمد اسماعیل قریشی

ہمارے معاشرے کے اکثر عقلیت پسند' بلکہ عقل گزیدہ افراد قتل مرتد کو بڑے شدومد کے ساتھ خلاف عقل قرار دیتے ہیں جبکہ قرآن وسنت اور عمل صحابہ' ان سب کو اگر بیک نگاہ سامنے رکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مرتد کی یہی سزا ہے جو ہمارے دین نے تجویز کی ہے۔ اس مسئلے کو قادیانی حضرات اپنے مذموم مقاصد کے لئے خاص طور پر ہوا دے رہے ہیں اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے ذہنوں میں جو اساسات دین سے بالعموم ناواقف محض ہوتے ہیں' اس حوالے سے شکوک و شبہات پیدا کرنے میں سرگرم ہیں۔ جناب محمد اسماعیل قریشی نے "ناموس رسول" اور قانون توہین رسالت" کے نام سے جو کتاب حال ہی میں مرتب کی ہے اس میں "مسئلہ ارتداد اور مولانا مودودی" کے زیر عنوان ایک باب میں ان تحریروں کو جمع کیا ہے جن میں انہوں نے قتل مرتد پر معترضین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے اور عقلی دلائل سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تحریر کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ (ادارہ)

مولانا مودودی نے قرآن و سنت اور عمل صحابہ کے علاوہ عقلی دلائل سے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ مرتد سزائے موت کا مستحق ہے۔ مولانا نے پہلے تو قتل مرتد کے بارے میں جو اعتراضات ہوتے رہے ہیں ان کو یکجا کیا ہے اور پھر ہر اعتراض کا مدلل جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"قتل مرتد پر سب سے پہلا اعتراض تو یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دین و مذہب کو ترک کر دے تو اس کو افہام و تفہیم کے بجائے تلوار کے زور پر ارتداد سے روکا جائے تو یہ بات آزادی ضمیر کے منافی ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بالجبر اسلام ترک نہ کرنے پر مجبور بھی کر دیا جائے تو وہ دل سے اسلام کا قائل نہیں ہو سکتا اور یہ منافقت ہوگی جو خود اسلام کے لیے خطرناک بات ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اسلام سے پھر جانے کی سزا موت ہے تو دیگر مذاہب سے آنے والوں کے لیے بھی وہی سزا ہونی چاہیے۔ اگر اس پر دوسرے پیروان مذاہب کی حکومتیں عمل درآمد کریں تو اسلامی دعوت و تبلیغ کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ چوتھا اور بظاہر وزنی اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ارتداد کی

سزا اسلام کے اس اعلان کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں۔ اس طرح یہ صاف دینی تضاد ہے جسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔

مولانا نے ان اعتراضات کا جواب دینے سے قبل ایک غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ان ہی کے الفاظ میں پیش کی جا رہی ہے۔

ایک بنیادی غلط فہمی

حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کی حیثیت فی الواقع اسی معنی میں ایک "مذہب" کی ہوتی' جس معنی میں یہ لفظ آج تک بولا جاتا ہے' تو یقیناً اس کا ان لوگوں کے لیے قتل کی سزا تجویز کرنا سخت غیر معقول فعل ہوتا' جو اس کے اصولوں سے غیر مطمئن ہو کر اس کے دائرے سے باہر نکلنا چاہیں۔ مذہب کا موجودہ تصور یہ ہے کہ وہ مابعد الطبیعی مسائل کے متعلق ایک عقیدہ و خیال ہے' جسے آدمی اختیار کرتا ہے اور حیات بعد الموت میں نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جس پر انسان اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ رہی سوسائٹی کی تنظیم اور معاملات دنیا کی انجام دہی اور ریاست کی تشکیل' تو وہ ایک خالص دنیوی معاملہ ہے' جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس تصور کے مطابق مذہب کی حیثیت صرف ایک رائے کی ہے اور رائے بھی ایسی جو زندگی کے ایک بالکل ہی دور از کار پہلو سے تعلق رکھتی ہے' جس کے قائم ہونے اور بدلنے کا کوئی قابل لحاظ اثر حیات انسانی کے بڑے اور اہم شعبوں پر نہیں پڑتا۔ ایسی رائے کے معاملے میں آدمی کو آزاد ہونا ہی چاہیے۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ امور مابعد الطبیعت کے بارے میں ایک خاص رائے کو اختیار کرنے میں تو وہ آزاد ہو' مگر جب اس کے سامنے کچھ دوسرے دلائل آئیں' جن کی بنا پر وہ سابق رائے کو غلط محسوس کرنے لگے' تو اس کے بدل دینے میں وہ آزاد نہ ہو اور اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ جب ایک طریقہ کی پیروی میں اسے اپنی نجات اخروی کی توقع ہو' تو اسے اختیار کر سکے اور جب وہ محسوس کرے کہ نجات کی امید اس راستہ میں نہیں' کسی دوسرے راستے میں ہے' تو اسے پچھلے راستے کو چھوڑنے اور نئے راستے کے اختیار کر لینے کا

حق نہ دیا جائے۔ پس اگر اسلام کی حیثیت یہی ہوتی' جو مذہب کی حیثیت آج کل قرار پا گئی ہے' تو اس سے زیادہ نامعقول کوئی بات نہ ہوتی کہ وہ آنے والوں کے لیے تو اپنا دروازہ کھلا رکھے' مگر جانے والوں کے لیے دروازے پر جلاد بٹھا دے۔

لیکن دراصل اسلام کی یہ حیثیت سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہ اصطلاح جدید کے مطابق محض ایک "مذہب" نہیں ہے بلکہ ایک پورا نظام زندگی ہے۔ اس کا تعلق صرف مابعد الطبیعات ہی سے نہیں ہے بلکہ طبیعات اور مافی الطبیعات سے بھی ہے۔ وہ محض حیات بعد الموت کی نجات ہی سے بحث نہیں کرتا بلکہ حیات قبل الموت کی فلاح و بہتری اور تشکیل صحیح کے سوال سے بھی بحث کرتا ہے اور نجات بعد موت کو اسی حیات قبل الموت کی تشکیل صحیح پر منحصر قرار دیتا ہے۔ مانا کہ پھر بھی وہ ایک رائے ہی ہے' مگر وہ رائے نہیں جو زندگی کے کسی دور ازکار پہلو سے تعلق رکھتی ہو' بلکہ وہ رائے جس کی بنیاد پر پوری زندگی کا نقشہ قائم ہوتا ہے۔ وہ رائے نہیں جس کے قائم ہونے اور بدلنے کا کوئی قابل لحاظ اثر زندگی کے بڑے اور اہم شعبوں پر نہ پڑتا ہو' بلکہ وہ رائے جس کے قیام پر تمدن اور ریاست کا قیام منحصر ہے اور جس کے بدلنے کے معنی نظام تمدن و ریاست کے بدل جانے کے ہیں۔ وہ رائے نہیں جو صرف انفرادی طور پر ایک شخص اختیار کرتا ہو' بلکہ وہ رائے جس کی بنا پر انسانوں کی ایک جماعت تمدن کے پورے نظام کو ایک خاص شکل پر قائم کرتی ہے اور اسے چلانے کے لیے ایک ریاست وجود میں لاتی ہے۔ ایسی رائے اور ایسے نظریہ کو انفرادی آزادیوں کا کھلونا نہیں بنایا جا سکتا' نہ اس جماعت کو جو اس رائے پر تمدن و ریاست کا نظام قائم کرتی ہے راہ گزر بنایا جا سکتا ہے کہ جب فضائے دماغی میں ایک لہر اٹھے تو اس میں داخل ہو جائے اور جب دوسری لہر اٹھے تو اس سے نکل جائے اور پھر جب جی چاہے اندر آئے اور جب چاہے باہر چلے جائے۔ یہ کوئی کھیل اور تفریح نہیں ہے جس سے بالکل ایک غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر دل بہلایا جائے' یہ تو ایک نہایت سنجیدہ اور انتہائی نزاکت رکھنے والا کام ہے جس کے ذرا ذرا سے نشیب و فراز سوسائٹی اور سٹیٹ کے نظام پر اثرانداز ہوتے ہیں' جس کے بننے اور بگڑنے کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بندگان

خدا کی زندگیوں کا بناؤ اور بگاڑ وابستہ ہوتا ہے' جس کی انجام دہی میں ایک بہت بڑی جماعت اپنی زندگی و موت کی بازی لگاتی ہے۔ ایسی رائے اور ایسی رائے رکھنے والی جماعت کی رکنیت کو انفرادی آزادیوں کا کھلونا دنیا میں کب بنایا گیا ہے اور کون بناتا ہے کہ اسلام سے اس کی توقع رکھی جائے۔

منظم سوسائٹی کا فطری اقتضا

ایک منظم سوسائٹی' جو ریاست کی شکل اختیار کر چکی ہو' ایسے لوگوں کے لیے اپنے حدود عمل میں بمشکل ہی گنجائش نکال سکتی ہے' جو بنیادی امور میں اس سے اختلاف رکھتے ہوں۔ فروعی اختلافات تو کم و بیش برداشت کیے جا سکتے ہیں' لیکن جو لوگ سرے سے ان بنیادوں ہی سے اختلاف رکھتے ہوں' جن پر سوسائٹی اور ریاست کا نظام قائم ہوا ہو' ان کو سوسائٹی میں جگہ دینا اور سٹیٹ کا جز بنانا سخت مشکل ہے۔ اس معاملے میں اسلام نے جتنی رواداری برتی ہے' دنیا کی تاریخ میں کبھی کسی دوسرے نظام نے نہیں برتی۔ دوسرے جتنے نظام ہیں وہ اساسی اختلاف رکھنے والوں کو یا تو زبردستی اپنے اصولوں کا پابند بناتے ہیں یا انہیں بالکل فنا کر دیتے ہیں۔ وہ صرف اسلام ہی ہے جو ایسے لوگوں کو ذمی بنا کر اور انہیں زیادہ سے زیادہ ممکن آزادی عمل دے کر اپنے حدود میں جگہ دیتا ہے اور ان کے بہت سے ایسے اعمال کو برداشت کرتا ہے' جو براہ راست اسلامی سوسائٹی اور سٹیٹ کی اساس سے متصادم ہوتے ہیں۔ اس رواداری کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسلام انسانی فطرت سے مایوس نہیں ہے۔ وہ خدا کے بندوں سے آخر وقت تک یہ امید وابستہ رکھتا ہے کہ جب انہیں دین حق کے ماتحت رہ کر اس کی نعمتوں اور برکتوں کے مشاہدہ کا موقع ملے گا' تو بالآخر وہ اس حق کو قبول کر لیں گے' جس کی روشنی فی الحال انہیں نظر نہیں آتی۔ اسی لیے وہ صبر سے کام لیتا ہے اور ان سنگریزوں کو' جو اس کی سوسائٹی اور ریاست میں حل نہیں ہوتے' اس امید پر برداشت کرتا رہتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ان کی قلب ماہیت ہو جائے گی اور وہ تحلیل ہونا قبول کر لیں گے۔ لیکن جو سنگریزہ ایک مرتبہ تحلیل ہونے کے بعد پھر

سنگریزہ بن جائے اور ثابت کر دے کہ وہ سرے سے اس نظام میں حل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا' اس کا کوئی علاج اس کے سوا نہیں کہ اسے نکال کر پھینک دیا جائے۔ اس کی انفرادی ہستی' خواہ کتنی ہی قیمتی ہو' مگر بہرحال وہ اتنی قیمتی تو نہیں ہوسکتی کہ سوسائٹی کے پورے نظام کی خرابی اس کی خاطر گوارا کرلی جائے۔

اس عام فہم غلطی کو دور کرنے کے بعد مولانا نے قتل مرتد کے ان تمام اعتراضات کا جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جواب دیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

اعتراضات کا جواب

قتل مرتد کو جو شخص یہ معنی پہناتا ہے کہ یہ محض ایک رائے کو اختیار کرنے کے بعد اسے بدل دینے کی سزا ہے' وہ دراصل ایک معاملہ کو پہلے خود ہی غلط طریقے سے تعبیر کرتا ہے اور پھر خود ہی اس پر ایک غلط حکم لگاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے' مرتد کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنے ارتداد سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ سوسائٹی اور سٹیٹ کی تنظیم جس بنیاد پر رکھی گئی ہے' اس کو وہ نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کرتا' بلکہ اس سے کبھی آئندہ بھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ اسے قبول کرے گا۔ ایسے شخص کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ اپنے لیے اس بنیاد کو ناقابل قبول پاتا ہے' جس پر سوسائٹی اور سٹیٹ کی تعمیر ہوئی ہے' تو خود اس کے حدود سے نکل جائے۔ مگر جب وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے لیے دو ہی علاج ممکن ہیں: یا تو اسے سٹیٹ میں تمام حقوق شہریت سے محروم کر کے زندہ رہنے دیا جائے' یا پھر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ پہلی صورت فی الواقع دوسری صورت سے شدید تر سزا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ **لا یموت فیھا ولا یحیی** کی حالت میں مبتلا رہے اور اس صورت میں سوسائٹی کے لیے بھی وہ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ذات سے ایک مستقل فتنہ لوگوں کے درمیان پھیلتا رہے گا اور دوسرے صحیح و سالم اعضا میں بھی اس کے زہر کے سرایت کر جانے کا اندیشہ ہوگا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے موت کی سزا دے کر اس کی اور سوسائٹی کی مصیبت کا بیک وقت خاتمہ کر دیا جائے۔

قتل مرتد کو یہ معنی پہنانا بھی غلط ہے کہ ہم ایک شخص کو موت کا خوف دلا کر منافقانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔

ہم ایسے لوگوں کے لیے اپنی جماعت کے اندر آنے کا دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں' جو تکون کے مرض میں مبتلا ہیں اور نظریات کی تبدیلی کا کھیل تفریح کے طور پر کھیلتے رہتے ہیں اور جن کی رائے اور سیرت میں وہ استحکام سرے سے موجود ہی نہیں ہے' جو ایک نظام زندگی کی تعمیر کے لیے مطلوب ہوتا ہے۔ کسی نظام زندگی کی تعمیر ایک نہایت سنجیدہ کام ہے۔ جو جماعت اس کام کے لیے اٹھے' اس میں لہری طبیعت کے کھلنڈرے لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی' اس کو صرف ان لوگوں سے مرکب ہونا چاہیے جو واقعی سنجیدگی کے ساتھ اس نظام کو قبول کریں اور جب قبول کر لیں تو دل و جان سے اس کے قیام اور اس کی تعمیر میں لگ جائیں۔ لہٰذا یہ عین حکمت و دانش ہے کہ ہر اس شخص کو' جو اس جماعت کے اندر آنا چاہے' پہلے مطلع کر دیا جائے کہ یہاں سے پلٹ کر جانے کی سزا موت ہے' تاکہ وہ داخل ہونے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے کہ آیا اسے ایسی جماعت میں داخل ہونا چاہیے یا نہیں۔ اس طرح جماعت میں آئے گا ہی وہ' جسے کبھی باہر جانا نہ ہوگا۔

تیسرے نمبر پر جو اعتراض ہم نے نقل کیا ہے' اس کی بنیاد بھی غلط ہے۔ معترضین کے پیش نظر دراصل ان "مذاہب" کا اور انہی کے پرچار کا معاملہ ہے جن کی تعریف ہم ابتدا میں کر چکے ہیں۔ ایسے مذاہب کو واقعی اپنا دروازہ آنے اور جانے والوں کے لیے کھلا رکھنا چاہیے۔ وہ اگر جانے والوں کے لیے اسے بند کریں گے تو ایک بے جا حرکت کریں گے۔ لیکن جس مذہب فکر و عمل پر سوسائٹی اور سٹیٹ کی تعمیر کی گئی ہو' اسے کوئی معقول آدمی' جو اجتماعیات میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو' یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ وہ اپنی تخریب اور اپنے اجزائے تعمیر کے انتشار اور اپنی بندش وجود کی برہمی کا دروازہ خود ہی کھلا رکھے۔ منظم سوسائٹی اور سٹیٹ وہ چیز ہے جس کا بنانا اور بگاڑنا ہمیشہ ہی سے جان جوکھوں کا کام رہا ہے اور اپنی فطرت کے لحاظ سے یہ کام ہمیشہ ایسا ہی رہے گا دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کی

امید ہے کہ آگ اور خون کا کھیل کھیلے بغیر کسی نظام زندگی کو تبدیل کر دیا جائے۔ کسی مزاحمت کے بغیر خود تبدیل ہونے کے لیے صرف وہی نظام زندگی تیار ہو سکتا ہے، جس کی جڑیں گل چکی ہوں اور جس کی بنیاد میں اپنے استحقاق وجود کا یقین باقی نہ رہا ہو۔

رہا تناقض کا اعتراض تو اوپر کی بحث کو بغور پڑھنے سے بڑی حد تک وہ خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ **لا اکراہ فی الدین** کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی کو اپنے دین میں آنے کے لیے مجبور نہیں کرتے اور واقعی ہماری روش یہی ہے۔ مگر جسے آ کر واپس جانا ہو، اسے ہم پہلے ہی خبردار کر دیتے ہیں کہ یہ دروازہ آمدورفت کے لیے کھلا ہوا نہیں ہے، لہٰذا اگر آتے ہو تو یہ فیصلہ کر کے آؤ کہ واپس نہیں جانا ہے ورنہ براہ کرم آؤ ہی نہیں۔ کوئی بتائے کہ آخر اس میں تناقض کیا ہے؟ بلاشبہ ہم نفاق کی مذمت کرتے ہیں اور اپنی جماعت میں ہر شخص کو صادق الایمان دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جس شخص نے اپنی حماقت سے خود اس دروازے میں قدم رکھا، جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ وہ جانے کے لیے کھلا ہوا نہیں ہے، وہ اگر نفاق کی حالت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس کو اس حالت سے نکالنے کے لیے ہم اپنے نظام کی برہمی کا دروازہ نہیں کھول سکتے۔ وہ اگر ایسا ہی راستی پسند ہے، کہ منافق بن کر نہیں رہنا چاہتا، بلکہ جس چیز پر اب ایمان لایا ہے، اس کی پیروی میں صادق ہونا چاہتا ہے، تو اپنے آپ کو سزائے موت کے لیے کیوں نہیں پیش کرتا؟

ہاں اعتراض بظاہر کچھ وزن رکھتا ہے کہ اسلام جب خود اپنے پیروؤں کو تبدیل مذہب پر سزا دیتا ہے اور اسے قابل مذمت نہیں سمجھتا، تو دوسرے مذاہب کے پیرو اگر اپنے ہم مذہبوں کو اسلام قبول کرنے پر سزا دیتے ہیں، تو وہ ان کی مذمت کیوں کرتا ہے؟ لیکن ان دو رویوں میں بظاہر جو تناقض نظر آتا ہے، فی الواقع وہ نہیں ہے، بلکہ اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی رویہ اختیار کیا جاتا تو البتہ تناقض ہوتا۔ اسلام اپنے آپ کو حق کہتا ہے اور بالکل خلوص کے ساتھ حق ہی سمجھتا ہے، اس لیے وہ حق کی طرف آنے والے اور حق سے منہ موڑ کر واپس جانے والے کو مساوی مرتبہ پر ہرگز نہیں رکھ سکتا۔ حق کی طرف آنے والے کے لیے یہ حق ہے کہ اس کی طرف

آئے اور جو اس کی راہ میں مزاحمت کرتا ہے' وہ مذمت کا مستحق ہے اور حق سے واپس جانے والے کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ اس سے واپس جائے اور جو اس کی راہ روکتا ہے' وہ مذمت کا مستحق نہیں ہے۔ تناقض اس رویہ میں نہیں ہے' البتہ اگر اسلام اپنے آپ کو حق بھی کہتا اور پھر ساتھ ہی اپنی طرف آنے والے اور اپنے سے منہ موڑ کر جانے والے کو ایک ہی مرتبہ میں رکھتا' تو بلاشبہ یہ ایک متناقض طرز عمل ہوتا۔

مجرد مذہب اور مذہبی ریاست کا بنیادی فرق

اوپر ہم نے قتل مرتد پر اعتراض کرنے والوں کے جو دلائل نقل کیے ہیں اور ان کے جواب میں اپنی طرف سے جو دلائل پیش کیے ہیں' ان کا مقابلہ کرنے سے ایک بات بالکل واضح طور پر نظر کے سامنے آجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ معترضین مرتد کی سزا پر جتنے اعتراض کرتے ہیں' محض ایک "مذہب" کو نگاہ میں رکھ کر کرتے ہیں اور اس کے برعکس ہم اس سزا کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتے ہیں' ان میں ہمارے پیش نظر مجرد "مذہب" نہیں ہوتا' بلکہ ایک ایسا سٹیٹ ہوتا ہے جو کسی خاندان یا طبقہ یا قوم کی حاکمیت کے بجائے ایک دین اور اس کے اصولوں کی حاکمیت پر تعمیر ہوا ہو۔

جہاں تک مجرد مذہب کا تعلق ہے' ہمارے اور معترضین کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا مذہب مرتد کو سزا دینے کا حق نہیں رکھتا' جبکہ سوسائٹی کا نظم و نسق اور ریاست کا وجود عملاً اس کی بنیاد پر قائم نہ ہو۔ جہاں اور جن حالات میں اسلام فی الواقع ویسے ہی ایک مذہب کی حیثیت رکھتا ہے' جیسا کہ معترضین کا تصور مذہب ہے' وہاں ہم خود بھی مرتد کو سزائے موت دینے کے قائل نہیں ہیں۔ فقہ اسلامی کی رو سے محض ارتداد کی سزا ہی نہیں' اسلام کے تعزیری احکام میں سے کوئی حکم بھی ایسے حالات میں قابل نفاذ نہیں رہتا' جب کہ اسلامی ریاست (یا باصطلاح شرح "سلطان") موجود نہ ہو۔ لہٰذا مسئلہ کے اس پہلو میں ہمارے اور معترضین کے درمیان بحث خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

اب قابل بحث صرف دوسرا پہلو رہ جاتا ہے یعنی یہ کہ جہاں مذہب خود حاکم ہو، جہاں مذہبی قانون ہی ملکی قانون ہو اور جہاں مذہب ہی نے امن و انتظام کے برقرار رکھنے کی ذمے داری اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہو، آیا وہاں بھی مذہب ایسے لوگوں کو سزا دینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں، جو اس کی اطاعت و وفاداری کا عہد کرنے کے بعد اس سے پھر جائیں؟ ہم اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ کیا ہمارے معترضین کے پاس اس کا جواب نفی میں ہے؟ اگر نہیں تو اختلاف بالکل ہی دور ہو جاتا ہے اور اگر ہے تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس پر انہیں کیا اعتراض ہے اور کیا ان کے دلائل ہیں؟

ریاست کا قانونی حق

یہ ایک الگ بحث ہے کہ آیا مذہبی ریاست بجائے خود صحیح ہے یا نہیں۔ چونکہ اہل مغرب کی اور پاپان روم کی ایک المناک تاریخ ہے، جس کے زخم خوردہ ہونے کی وجہ سے وہ مذہبی ریاست کا نام سنتے ہی خوف سے لرز اٹھتے ہیں، اس لیے جب کبھی کسی ایسی چیز کے متعلق انہیں گفتگو کا اتفاق ہوتا ہے، جس پر "مذہبی ریاست" ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہو (اگرچہ اس کی نوعیت پاپائی سے بالکل مختلف ہی کیوں نہ ہو) تو جذبات کا ہیجان ان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ بے چارے اس پر ٹھنڈے دل سے معقول گفتگو کر سکیں۔ رہے ان کے مشرقی شاگرد، تو اجتماعی و عمرانی مسائل پر ان کا سرمایہ علم جو کچھ بھی ہے، مغرب سے مانگے پر لیا ہوا ہے اور یہ اپنے استادوں سے صرف ان کی معلومات ہی ورثے میں حاصل نہیں کرتے، بلکہ میراث علمی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات، رجحانات اور تعصبات بھی لے لیتے ہیں، اس لیے قتل مرتد اور اس نوعیت کے دوسرے مسائل پر جب بحث کی جاتی ہے، تو خواہ اہل مغرب ہوں یا ان کے مشرقی شاگرد، بالعموم دونوں ہی اپنا توازن کھو دیتے ہیں اور اصل قانونی و دستوری سوال کو ان بحثوں میں الجھانے لگتے ہیں، جو مذہبی ریاست کے بذات خود صحیح یا غلط ہونے کی بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر بالفرض اسلامی ریاست انہی

معنوں میں ایک "مذہبی ریاست" ہو' جن معنوں میں اہل مغرب اسے لیتے ہیں' تب بھی اس مسئلہ میں یہ بحث بالکل غیر متعلق ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ جو ریاست کسی خطہ زمین پر حاکمیت رکھتی ہو' آیا وہ اپنے وجود کی حفاظت کے لیے ایسے افعال کو جرم قرار دینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں' جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے والے ہوں' اس پر اگر کوئی معترض ہو تو وہ ہمیں بتائے کہ دنیا میں کب ریاست نے یہ حق استعمال نہیں کیا ہے؟ اور آج کون سی ریاست ایسی ہے جو اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہے؟ اشتراکی اور فاشٹ ریاستوں کو چھوڑیئے' ان جمہوری ریاستوں ہی کو دیکھ لیجئے' جن کی تاریخ اور جن کے نظریات سے موجودہ زمانے کی دنیا نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے اور جن کو آج جمہوری نظام کی علمبرداری کا شرف حاصل ہے۔ کیا یہ اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہیں؟

انگلستان کی مثال

مثال کے طور پر انگلستان کو لیجئے۔ انگریزی قانون جن لوگوں سے بحث کرتا ہے' وہ دو بڑی قسموں پر تقسیم ہوتے ہیں: ایک برطانوی رعایا (British Subjects) دوسرے اغیار (Aliens) برطانوی رعایا کا اطلاق اولاً ان لوگوں پر ہوتا ہے جو برطانوی حدود کے اندر یا باہر ایسے باپوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہوں' جو شاہ برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کے ملتزم ہوں۔ یہ فطرۃً پیدائشی رعایائے برطانیہ (Natural Born British Subjects) کہلاتے ہیں اور ان کو آپ سے آپ اطاعت و وفاداری کا ملتزم قرار دیا جاتا ہے' بغیر اس کے کہ انہوں نے بالارادہ شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لیا ہو۔ ثانیاً یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو پہلے اغیار میں سے تھے اور پھر چند قانونی شرائط کی تکمیل کے بعد انہوں نے شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لے کر برطانوی رعایا ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا ہو۔ رہے اغیار تو اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو کسی دوسری قومیت سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی دوسرے سٹیٹ کی وفاداری کے ملتزم ہوں مگر برطانوی مملکت کی حدود میں مقیم ہوں۔

ان مختلف قسم کے اشخاص کے متعلق انگریزی قانون کے حسب ذیل اصول قابل ملاحظہ ہیں:

1 - اغیار میں سے ہر شخص جو برطانوی رعایا ہونے کے لیے ضروری قانونی شرائط کی تکمیل کر چکا ہو' یہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنی سابق قومیت ترک کر کے برطانوی قومیت میں داخل ہونے کی درخواست کرے۔ اس صورت میں سیکرٹری آف سٹیٹ اس کے حالات کی تحقیق کرنے کے بعد شاہ برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کا حلف لے کر اسے برطانوی قومیت کا سرٹیفکیٹ عطا کر دے گا۔

2 - کوئی شخص خواہ پیدائشی رعایائے برطانیہ ہو' یا باختیار خود برطانوی رعایا میں داخل ہوا ہو' ازروئے قانون یہ حق نہیں رکھتا کہ مملکت برطانویہ کے حدود میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کرنے اور کسی دوسرے سٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھائے' یا جس قومیت سے وہ پہلے تعلق رکھتا تھا' اس کی طرف پھر واپس چلا جائے۔ یہ حق اسے صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ برطانوی حدود سے باہر مقیم ہو۔ دوہری قومیت کے بارے میں برطانیہ میں اب کچھ معمولی سی ترامیم ہوئی ہیں۔

3 - برطانوی حدود سے باہر مقیم ہونے کی صورت میں بھی رعایائے برطانیہ کا کوئی فرد (خواہ وہ پیدائشی رعیت ہو یا رعیت بن گیا ہو) یہ حق نہیں رکھتا کہ حالت جنگ میں برطانوی قومیت ترک کر کے کسی ایسی قوم کی قومیت اور کسی ایسے سٹیٹ کی وفاداری اختیار کرے' جو شاہ برطانیہ سے برسر جنگ ہو۔ یہ فعل برطانوی قانون کی رو سے غدر کبیر (High Treason) ہے' جس کی سزا موت ہے۔

4 - برطانوی رعایا میں سے جو شخص برطانوی حدود کے اندر یا باہر رہتے ہوئے بادشاہ کے دشمنوں سے تعلق رکھے اور ان کو مدد اور آسائش بہم پہنچائے یا کوئی ایسا فعل کرے جو بادشاہ کے دشمنوں کو تقویت پہنچانے والا یا بادشاہ اور ملک کی قوت حملہ و مدافعت کو کمزور کرنے والا ہو' وہ بھی غدر کبیر کا مرتکب ہے اور

اس کی سزا بھی موت ہے۔

5 - بادشاہ' بلکہ یا ولی عہد کی موت کے درپے ہونا یا اس کا تصور کرنا' بادشاہ کی رفیقہ یا اس کی بڑی بیٹی یا ولی عہد کی بیوی کو بے حرمت کرنا' بادشاہ کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا یا نشانہ تاکنا یا ہتھیار اس کے سامنے لانا' جس سے مقصود اس کو نقصان پہنچانا یا خوف زدہ کرنا ہو' سٹیٹ کے مذہب کو تبدیل کرنے یا سٹیٹ کے قوانین کو منسوخ کرنے کے لیے قوت استعمال کرنا' یہ سب افعال بھی غدر کبیر ہیں اور ان کا مرتکب بھی سزائے موت کا مستحق ہے۔

6 - بادشاہ کو اس کے منصب' اعزاز یا القاب سے محروم یا معزول کرنا بھی جرم ہے' جس کی سزا حبس دوام تک ہو سکتی ہے۔

ان سب امور میں بادشاہ سے مراد وہ شخص ہے جو بالفعل (De Facto) بادشاہ ہو' خواہ بالحق (De Jure) بادشاہ ہو یا نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قوانین کسی جذباتی بنیاد پر مبنی نہیں ہیں' بلکہ اس اصول پر مبنی ہیں کہ قائم شدہ ریاست' جس کے قیام پر ایک خطہ زمین میں سوسائٹی کے نظم کا قیام منحصر ہو' اپنے اجزائے ترکیبی کو انتشار سے بہ جبر روکنے اور اپنے نظام کو خرابی سے بچانے کے لیے طاقت کے استعمال کا حق رکھتی ہے۔

اب دیکھئے کہ برطانوی قانون جنہیں "اغیار" کہتا ہے' ان کی حیثیت تھوڑے سے فرق کے ساتھ وہی ہے جو اسلامی قانون میں ان لوگوں کی حیثیت ہے' جو "ذمی" کہلاتے ہیں۔ جس طرح "برطانوی رعایا" کا اطلاق پیدائشی اور اختیاری رعایا پر ہوتا ہے' اسی طرح اسلام میں بھی "مسلمان" کا اطلاق دو قسم کے لوگوں پر ہوتا ہے: ایک وہ جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئی' دوسرے وہ جو غیر مسلموں میں سے باختیار خود اسلام قبول کر لیں۔ "برطانوی قانون" بادشاہ اور شاہی خاندان کو صاحب حاکمیت ہونے کی حیثیت سے جو مقام دیتا ہے' اسلامی قانون وہی حیثیت خدا اور اس کے رسول کو دیتا ہے۔ پھر جس طرح برطانوی قانون' برطانوی رعایا اور اغیار کے حقوق و واجبات میں فرق کرتا ہے' اسی طرح اسلام بھی مسلم اور ذمی کے حقوق و واجبات میں

فرق کرتا ہے۔ جس طرح برطانوی قانون' برطانوی رعایا میں سے کسی شخص کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ حدود مملکت برطانیہ میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کرے اور کسی دوسرے سٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھائے یا اپنی سابق قومیت کی طرف پلٹ جائے' اسی طرح اسلامی قانون بھی کسی مسلم کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ دارالاسلام کے اندر رہتے ہوئے کوئی دوسرا دین اختیار کرے یا اس دین کی طرف پلٹ جائے جسے ترک کر کے وہ دین اسلام میں آیا تھا۔ جس طرح برطانوی قانون کی رو سے برطانوی رعایا کا وہ فرد سزائے موت کا مستحق ہے' جو برطانوی حدود کے باہر رہتے ہوئے شاہ برطانیہ کے دشمنوں کی قومیت اختیار کرلے اور کسی دشمن سلطنت کی وفاداری کا حلف اٹھائے' اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے وہ مسلمان بھی سزائے موت کا مستحق ہے' جو دارالاسلام کے باہر رہتے ہوئے حربی کافروں کا دین اختیار کرلے اور جس طرح برطانوی قانون ان لوگوں کو "اغیار" کے سے حقوق دینے کے لیے تیار ہے' جنہوں نے برطانوی قومیت چھوڑ کر کسی برسر صلح قوم کی قومیت اختیار کرلی ہو' اسی طرح اسلامی قانون بھی ایسے مرتدین کے ساتھ معاہد قوم کے کافروں کا سا معاملہ کرتا ہے' جو دارالاسلام سے نکل کر کسی ایسی کافر قوم سے جا ملے ہوں' جس سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو۔ اب یہ ہمارے لیے ایک ناقابل حل معما ہے کہ جن لوگوں کی سمجھ میں اسلامی قانون کی پوزیشن نہیں آتی' ان کی سمجھ میں برطانوی قانون کی پوزیشن کیسے آجاتی ہے۔

امریکہ کی مثال

برطانیہ کے بعد اب دنیا کے دوسرے علمبردار جمہوریت ملک امریکہ کو لیجئے۔ اس کے قوانین اگرچہ تفصیلات میں کسی حد تک برطانیہ سے مختلف ہیں' لیکن اصول میں وہ بھی اس کے ساتھ پوری موافقت رکھتے ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ یہاں جو مقام بادشاہ کو دیا گیا ہے' وہاں وہی مقام ممالک متحدہ کی قومی حاکمیت اور وفاقی دستور کو دیا گیا ہے۔ ممالک متحدہ کا پیدائشی شہری ہر وہ شخص ہے' جو شہری کی اولاد سے پیدا ہوا

ہو' خواہ ممالک متحدہ کے حدود میں پیدا ہوا ہو یا ان سے باہر اور اختیار شہری ہر وہ شخص ہوسکتا ہے' جو چند قانونی شرائط کی تکمیل کے بعد دستور ممالک متحدہ کے اصولوں کی وفاداری کا حلف اٹھائے۔ ان دونوں قسم کے شہریوں کے ماسوا باقی سب لوگ امریکی قانون کی نگاہ میں "غیر" ہیں۔ شہری اور اغیار کے حقوق و واجبات کے درمیان امریکی قانون وہی فرق کرتا ہے' جو برطانوی قانون "رعیت" اور "اغیار" کے حقوق و واجبات میں کرتا ہے۔ ایک غیر شخص شہریت کی قانونی شرطیں پوری کرنے کے بعد ممالک متحدہ کا شہری بن جانے میں تو آزاد ہے مگر شہری بن جانے کے بعد پھر اسے یہ آزادی حاصل نہیں رہتی کہ ممالک متحدہ کے حدود میں رہتے ہوئے وہ اس شہریت کو ترک کر کے پھر اپنی سابق قومیت کی طرف پلٹ جائے۔ اسی طرح کسی پیدائشی شہری کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ ممالک متحدہ کے حدود میں کسی دوسری قومیت کو اختیار کرے اور کسی دوسرے سٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھا لے۔ علیٰ ہذا القیاس شہریوں کے لیے غدر اور بغاوت قوانین ممالک متحدہ میں بھی انہی اصولوں پر مبنی ہیں' جن پر برطانوی قوانین غدر و بغاوت کی اساس رکھی گئی ہے۔ (اگرچہ کہ مولانا کے اس مضمون کے بعد امریکہ کے قانون شہریت میں معمولی ترامیم ہوئی ہیں لیکن اسٹیٹ سے غداری کی سزا وہی سزائے موت برقرار ہے۔ (مولف)

اور یہ کچھ انہی دونوں سلطنتوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ دنیا کے جس ملک کا قانون بھی آپ اٹھا کر دیکھیں گے' وہاں آپ کو یہی اصول کام کرتا نظر آئے گا کہ ایک سٹیٹ جن عناصر کے اجتماع سے تعمیر ہوتا ہے' ان کو وہ منتشر ہونے سے بزور روکتا ہے اور ہر اس چیز کو طاقت سے دباتا ہے' جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کا رجحان رکھتی ہو۔

ریاست کا فطری حق

یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ ایک سٹیٹ کا وجود بجائے خود جائز ہے یا نہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا اور دنیوی ریاستوں (Secular State) کے حامیوں کا نقطہ نظر

بالکل مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک خدا کی حاکمیت کے سوا ہر دوسری حاکمیت پر ریاست کی تعمیر سرے سے ناجائز ہے' اس لیے جو ریاست بجائے خود ناجائز بنیاد پر قائم ہو' اس کے لیے ہم اس بات کو جائز تسلیم نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے ناجائز وجود اور غلط نظام کی حفاظت کے لیے قوت استعمال کرے۔ اس کے برعکس ہمارے مخالفین الٰہی ریاست کو ناجائز اور صرف دنیوی ریاست ہی کو جائز سمجھتے ہیں' اس لیے ان کے نزدیک دنیوی ریاست کا اپنے وجود نظام کی حفاظت میں جبر سے کام لینا عین حق اور الٰہی ریاست کا یہی فعل کرنا عین باطل ہے۔ لیکن اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قاعدہ اپنی جگہ عالمگیر مقبولیت رکھتا ہے کہ ریاست اور حاکمیت کی عین فطرت اس امر کی مقتضی ہے کہ اسے اپنے وجود اور اپنے نظام کی حفاظت کے لیے جبر اور قوت کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ حق ریاست من حیث الریاست کا ذاتی حق (Inherent Right) ہے اور اگر کوئی چیز اس حق کو باطل بنا سکتی ہے' تو وہ صرف یہ ہے کہ جو ریاست اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو' وہ آپ ہی باطل پر قائم ہوئی ہو۔ اس لیے کہ باطل کا وجود بجائے خود ایک جرم ہے اور اگر وہ اپنے قیام و بقا کے لیے طاقت سے کام لیتا ہے تو یہ شدید تر جرم ہو جاتا ہے۔

کافر اور مرتد کے ساتھ مختلف معاملہ کیوں ہے؟

یہاں پہنچ کر ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال الجھن پیدا کرنے لگتا ہے کہ ابتداءً کافر ہونے اور اسلام سے مرتد ہو کر کافر بن جانے میں آخر کیا فرق ہے؟ وہ پوچھتا ہے کہ جو قانون ایک شخص کے ابتداءً کافر ہونے کو برداشت کر لیتا ہے اور اسے اپنے حدود میں امن کی جگہ عطا کرتا ہے' وہ آخر اسی شخص کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر کافر ہو جانے کو یا ایک پیدائشی مسلمان کے کفر اختیار کر لینے کو کیوں برداشت نہیں کرتا؟ پہلی قسم کے کافر کا کفر اس دوسری قسم کے کافر کے کفر سے اصولاً کیا اختلاف رکھتا ہے کہ وہ تو قانون کی نگاہ میں مجرم نہ ہو اور یہ مجرم ہو۔ اس کو ذمی بنا کر اس کی جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اسے زندگی کے جملہ حقوق

سے محروم کر کے دار پر چڑھا دیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ ملنے والے اور مل کر الگ ہو جانے والے کے درمیان انسانی فطرت لازماً فرق کرتی ہے۔ نہ ملنا تلخی' نفرت اور عداوت کو مستلزم نہیں ہے' مگر مل کر الگ ہو جانا قریب قریب سو فی صدی حالات میں ان جذبات کو مستلزم ہے۔ نہ ملنے والا کبھی ان فتنوں کا موجب نہیں بن سکتا' جن کا موجب مل کر الگ ہو جانے والا بنتا ہے۔ نہ ملنے والے کے ساتھ آپ تعاون' دوستی' رازداری' لین دین' شادی بیاہ اور بے شمار قسم کے تمدنی و اخلاقی رشتے قائم نہیں کرتے' جو ملنے والے کے ملاپ پر اعتماد کر کے اس کے ساتھ قائم کر لیتے ہیں۔ اس لیے نہ ملنے والا کبھی ان نقصانات کا سبب نہیں بن سکتا' جن کا موجب مل کر الگ ہو جانے والا بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نہ ملنے والوں کی بہ نسبت ان لوگوں کے ساتھ فطرۃً بالکل دوسری ہی قسم کا برتاؤ کرتا ہے' جو مل کر الگ ہو جاتے ہیں۔ انفرادی زندگی میں اتصال کے بعد افتراق کا نتیجہ محدود ہوتا ہے' اس لیے عموماً کشیدگی تک پہنچ کر رہ جاتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں یہ چیز زیادہ بڑے پیمانے پر نقصان کی موجب ہوتی ہے' اس لیے فرد کے خلاف جماعت کی کارروائی بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور جہاں الگ ہونے والا کوئی فرد واحد نہیں بلکہ کوئی بڑا گروہ ہوتا ہے' وہاں نقصان کا پیمانہ بہت بڑھ جاتا ہے' اس لیے اس کا نتیجہ لازماً جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جو لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ کافر اور مرتد کے ساتھ اسلام دو مختلف رویے کیوں اختیار کرتا ہے' انہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جو اپنے اندر شامل نہ ہونے والوں اور شامل ہو کر الگ ہو جانے والوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا ہو۔ الگ ہونے والوں کو اکثر کسی نہ کسی نوعیت کی سزا ضرور دی جاتی ہے اور بارہا ان کو واپس آنے پر مجبور بھی کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جو نظام جتنی زیادہ اہم اجتماعی ذمہ داریوں کا حامل ہو' اس کا رویہ اس معاملہ میں اتنا ہی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کو لیجیے۔ قریب قریب تمام دنیا کے فوجی قوانین میں یہ بات مشترک ہے کہ فوجی ملازمت اختیار کرنے پر تو کسی کو مجبور نہیں کیا

جا سکتا' مگر جو شخص باختیار خود فوجی ملازمت میں داخل ہوچکا ہو' اسے ملازمت میں رہنے پر لازماً مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ استعفا دے تو ناقابل قبول ہے' خود چھوڑ جائے تو مجرم ہے۔ جنگ کی عملی خدمت (Active Service) سے فرار ہو تو سزائے موت کا مستحق ہے۔ عام فوجی خدمات سے بھاگے' تو حبس دوام تک سزا پا سکتا ہے اور جو کوئی اس بھاگنے والے کو پناہ دے یا اس کے جرم پر پردہ ڈالے' تو وہ بھی مجرم ٹھہرتا ہے۔ یہی طرز عمل انقلابی پارٹیاں اختیار کرتی ہیں۔ وہ بھی کسی کو اپنے اندر شامل ہونے پر مجبور نہیں کرتیں' مگر جو شامل ہو کر الگ ہو جائے اسے گولی مار دیتی ہیں۔

یہ معاملہ تو فرد اور جماعت کے درمیان ہے اور جہاں جماعت اور جماعت کے درمیان یہ صورت پیش آتی ہے' وہاں اس سے زیادہ شدید معاملہ کیا جاتا ہے۔ وفاق (Federation) اور تحالف (Confederacy) کے متعلق اکثر آپ نے سنا ہوگا کہ جو ریاستیں اس قسم کے اتحاد میں شریک ہوتی ہیں' ان کو شریک ہونے یا نہ ہونے کا اختیار تو دیا جاتا ہے مگر شریک ہوچکنے کے بعد الگ ہو جانے کا دروازہ ازروئے دستور بند کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ جہاں دستور میں اس قسم کی کوئی تصریح نہیں ہوتی' وہاں بھی علیحدگی کے حق کا استعمال اکثر جنگ تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ انیسویں صدی میں دو لڑائیاں اسی مسئلہ پر ہوچکی ہیں۔ پہلی لڑائی سوئزرلینڈ میں ہوئی جبکہ 1847ء میں سات رومن کیتھولک ریاستوں نے کانفیڈریسی سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس پر کانفیڈریسی کے باقی شرکاء ان الگ ہونے والی ریاستوں سے برسرپیکار ہوگئے اور انہوں نے لڑ کر انہیں مجبور کیا کہ پھر ان کی وفاقی ریاست میں شامل ہو جائیں۔ دوسری لڑائی امریکہ کی خانہ جنگی (American Civil War) کے نام سے مشہور ہے۔ 1860ء میں ممالک متحدہ امریکہ کے اتحاد سے سات ریاستیں الگ ہوگئیں اور انہوں نے اپنا علیحدہ تحالف قائم کر لیا۔ بعد میں چار مزید ریاستیں الگ ہو کر اس جتھے میں آ ملیں۔ نیز چھ ریاستوں کی رائے عام یہ تھی کہ اصولاً ہر ریاست کو الگ ہو جانے کا حق حاصل ہے اور وفاقی حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ انہیں زبردستی ممالک متحدہ کے وفاق میں واپس آنے پر مجبور کرے۔ اس پر 1861ء میں وفاقی حکومت نے

ان ریاستوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور تین چار سال کی شدید خونریزی کے بعد انہیں پھر اتحاد میں شریک ہونے پر مجبور کر دیا۔

افتراق بعد اتصال کے خلاف بالعموم تمام اجتماعی نظام اور بالخصوص سیاسی و فوجی نوعیت کے نظام یہ سخت کارروائی کیوں کرتے ہیں؟ اس کے حق میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ جماعتی نظم اپنی کامیابی کے لیے فطرۃً استحکام کا مقتضی ہوتا ہے اور یہ استحکام سراسر اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ جن عناصر کے ملاپ سے یہ نظم وجود میں آیا ہو' ان کے ملاپ پر زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا جا سکے۔ ناقابل اعتماد' متزلزل اور انتشار پذیر عناصر کا اجتماع' جس کے قائم رہنے پر بھروسہ نہ کیا جا سکے اور جس کے ثابت قدم رہنے کا تیقن نہ ہو' کبھی کوئی صحیح قسم کی جماعتی زندگی پیدا نہیں کر سکتا۔ خصوصاً جو اجتماعی ادارہ تمدن کی اہم خدمات کا بار اٹھانے والا ہو' وہ تو کبھی اس خطرے کو مول لینے پر آمادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی ترکیب ایسے اجزا سے ہو' جو ہر وقت پارہ پارہ ہو سکتے ہوں۔ انتشار پذیر اینٹوں اور پتھروں سے بنی ہوئی عمارت ویسے بھی انسانی سکونت کے لیے کوئی قابل اطمینان چیز نہیں ہوتی' کجا کہ ایک قلعہ' جس پر ایک پورے ملک کے امن کا انحصار ہو' ایسے بکھر جانے والے اجزا سے بنا ڈالا جائے۔ تفریحی انجمنیں' جن کی حیثیت بچوں کے گھروندوں سے زیادہ نہ ہو' افراد کی شخصی آزادی کو اپنے جماعتی وجود کے مقابلے میں ضرور ترجیح دے سکتی ہیں' لیکن کسی بڑے جماعتی مقصد کے لیے جان جوکھوں کا کھیل کھیلنے والے ادارے اس کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ریاست اور فوج اور وہ پارٹیاں' جو سنجیدگی کے ساتھ کسی اہم اجتماعی نصب العین کی خدمت کا پرخطر کام کرنے کے لیے بنی ہوں اور اسی نوعیت کے دوسرے نظام اس امر پر قطعی مجبور ہیں کہ واپس جانے والوں کے لیے اپنے دروازے بند کر دیں اور اپنے اجزائے ترکیبی کو منتشر ہونے سے باز رکھیں۔ مستحکم اور قابل اعتماد اجزاء حاصل کرنے کا اس سے زیادہ کامیاب ذریعہ اور کوئی نہیں ہے کہ آنے والے کو پہلے ہی آگاہ کر دیا جائے کہ یہاں سے جانے کا نتیجہ موت ہے' کیونکہ اس طرح کمزور قوت فیصلہ رکھنے والے لوگ خود ہی اندر آنے سے باز رہیں

گے۔ اسی طرح موجودہ اجزاء کو بکھرنے سے باز رکھنے کا بھی قوی ترین ذریعہ یہی ہے کہ جو اجزاء بکھرنے پر اصرار کریں' انہیں کچل ڈالا جائے تاکہ جہاں جہاں علیحدگی کے میلانات پرورش پا رہے ہوں' وہاں ان کا خودبخود قلع قمع ہو جائے۔

البتہ یہاں اس حقیقت کو پھر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جماعتی نظم کے لیے اس تدبیر کو صحیح قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر جماعتی نظم کے لیے اس تدبیر کا استعمال برحق ہے' قطع نظر اس سے کہ وہ بجائے خود صالح ہو یا فاسد۔ یہ چیز حق صرف اس جماعتی نظم کے لیے ہے جو اپنی ذات میں صالح ہو۔ رہا ایک فاسد نظام' تو جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں' اس کا وجود بجائے خود ایک ظلم ہے اور اگر وہ اپنے اجزاء کو سمٹائے رکھنے کے لیے جابرانہ قوت استعمال کرے' تو یہ اس سے زیادہ بڑا ظلم ہے۔

بقیہ : اسلام کا معاشرتی نظام

جب تک مرد کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں کسی عورت کے نان نفقہ اور عزت و آبرو کی پوری ذمہ داری قبول کر کے اس کو اپنی وراثت تک میں حقدار تسلیم نہ کر لے عورت اس کو کسی سطح پر جنسی لذت فراہم نہ کرے۔ یہی فرق ہے زنا اور نکاح میں۔ نکاح مرد کو ذمہ دار بناتا ہے جبکہ مرد زنا کے ذریعے ذمہ داری سے فرار چاہتا ہے۔

ان گزارشات کی روشنی میں غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ ستر و حجاب یعنی پردے کے احکام اصلاً پابندی ہیں مرد پر' لیکن ذریعہ ہیں عورت کی حفاظت کا۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تذکیر و موعظت

چراغِ طُور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے !

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

تخلیقِ آدم علیہ السلام کے وقت سے انسان اور شیطان کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارے جانے کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو تیری راہ سے بھٹکاؤں گا۔ وہ اُس وقت سے اس کام میں لگا ہوا ہے اور تاقیامِ قیامت لگا رہے گا۔ انسان کے جسدِ خاکی میں روحِ ربانی کے وجود نے اگرچہ انسان کو شیطانی اغواء سے بڑی حد تک محفوظ رکھا ہوا ہے، تاہم اسے قدم قدم پر دنیا کی زیب و زینت سے واسطہ پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اپنے وجود میں وہ نفس موجود ہے جسے نفسِ امارہ کا نام دیا گیا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی "اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ"۔ یعنی نفسِ امارہ شیطان کے حملوں میں اس کا بڑا ممد و معاون ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ شیطان کو شیطان بنانے میں اس کے نفسِ امارہ ہی کو دخل تھا، جس نے اسے یہ سوچنے پر اکسایا تھا کہ ناری مخلوق خاکی مخلوق کی بالادستی کس طرح قبول کر سکتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"۔ گویا کہ شیطان سے بھی بڑا شیطان خود انسان کا اپنا نفس ہے جو اسے برائی پر اکسا کر اس کے قدموں میں لغزش پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شیطانی حملوں سے بچانے کا بڑا اہتمام کیا ہوا ہے۔ اس نے انسان کے اندر بھلے اور برے کی تمیز پیدا کر دی ہے۔ بالفاظِ قرآنی "فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا" یعنی ہر نفس کو خوب معلوم ہے کہ اچھائی کیا ہے اور برائی کیا۔ اچھی شے کون سی ہے اور بری شے کون سی۔ لیکن خالق کائنات نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آسمانی ہدایت کی ترسیل کا اہتمام صحیفوں اور کتابوں کی صورت میں فرمایا، جیسا کہ اس نے

ھبوطِ آدمؑ کے موقع پر فرمایا تھا "فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"۔ مزید یہ کہ آسمانی ہدایت پر عملی رہنمائی کے لئے رسولوں کو مبعوث فرمایا' جنہوں نے قوانین شریعہ پر عمل کر کے لوگوں پر حجت قائم کردی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ملتا ہے کہ "کَانَ خُلُقُہُ الْقُرآن"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر نہ صرف نبوت کا اختتام ہوا بلکہ رسالت کی بھی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اعلان فرمادیا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"۔ نبی اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اب یہ امتِ مسلمہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس کتاب الہدیٰ پر عمل پیرا ہو کر پوری دنیا پر حجت قائم کرتی۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق کہ نبی کی رحلت کے بعد ان کے حواری و اصحاب اپنے نبی کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں' خلفاء راشدین و مہدیین' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ نے بھی حضور ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "خَیْرُ القرونِ قَرنی ثم الذین یَلُونھم ثم الذین یَلُونھم"۔ لیکن بعد میں جیسا کہ ہوتا ہے' ہم جیسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے اور ہمارا حال بھی یہی ہے کہ ہم کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں اور کرتے وہ ہیں جس کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کو امتِ مسلمہ نے ترک کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بتدریج خیر کی قوتیں کمزور پڑتی گئیں اور معاشرے پر شر کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ حالت یہ ہو گئی ہے کہ دیندار طبقہ میں بھی شر کا نفوذ ہو گیا ہے۔ فرقہ واریت کی "ہُو" نے سب کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ بقول اقبال۔

کیا امامانِ سیاست ' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو

وطنِ عزیز میں علاقائی' لسانی اور قومیتوں کی بنیاد پر فرقہ واریت کی قیادت اگر "امامانِ سیاست" کے ہاتھوں میں ہے تو مذہبی فرقہ واریت کی باگ ڈور "کلیسا کے شیوخ"

نے تھام رکھی ہے اور کیفیت یہ ہے کہ "نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"۔ یہی تو وجہ ہے کہ مسجدوں اور امام بارگاہوں پر حملوں میں کبھی شرپسندوں کو ملوث پایا جاتا ہے تو کبھی "را" کے ایجنٹوں کو۔ پہلے گلی کوچوں میں لوگوں کا خون بہتا تھا تو اب عبادت گاہوں کی دیواروں پر خونِ مسلم کے چھینٹے پڑ رہے ہیں۔ ہم ہیں کہ رات دن دعاؤں میں مصروف ہیں لیکن ہماری دعاؤں میں کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اور اثر کیسے باقی رہتا جبکہ الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اگر تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کیا تو تمہاری دعاؤں میں کوئی اثر باقی نہیں رہے گا۔ جب حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دو گے تو اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حیرانی سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ ہم نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیں گے؟ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ یہی نہیں ہو گا بلکہ ایک وقت ایسا آئے گا جب تم نیکی سے روکو گے اور برائی کا حکم دو گے۔ آج واقعتاً ہم اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں' جس کی خبر حضور ﷺ نے دی تھی۔

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے امتِ مسلمہ پر دوسری قوموں کے غلبہ کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ تم میں ایک بیماری پیدا ہو گی جس کا نام "وَھن" ہے۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ "وَھن" کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "وَھن" یہ ہے کہ تمہارے اندر دنیا کی محبت اور موت سے کراہت پیدا ہو جائے گی۔ آج ہم میں حقوق کی جنگ کس وجہ سے برپا ہے؟ اس کی وجہ حُبِّ دنیا ہے' جس کے نتیجے میں لوگوں کے حقوق غصب ہوئے۔ یہ رشوتیں' یہ چور بازاریاں' یہ ظلم و ستم آخر حُبِّ دنیا ہی کا تو نتیجہ ہیں۔ آج ذرا ہم اپنا تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہمارے تمام ذرائع ابلاغ بشمول اخبارات' رسائل' ریڈیو اور ٹی وی شر کی تبلیغ میں مصروف ہیں اور ماحول کچھ ایسا بن کر رہ گیا ہے کہ خیر کی بات کرنی دشوار ہے۔ دنیا میں ہم اربوں کی تعداد میں ہیں' لیکن ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بن کر رہ گئی ہے۔ مسلمان دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں تو تنگ ہیں ہی غضب تو یہ ہے کہ خود مسلمان مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے درپے ہے۔ دینی غیرت نام کی کوئی شے ہم میں نہیں رہ گئی۔ اگر ہماری بستیوں کو خود ہم پر الٹ نہیں دیا جاتا تو یہ اس ربِّ

ذوالجلال کا کرم خاص ہے۔ اس نے اپنے لطف و کرم سے ہمیں آزادی کی نعمت اور پاکستان جیسا وطن عطا کیا لیکن ہم ہیں کہ خود اپنے ہاتھوں اس عظیم مملکت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں۔

ہمیں بگڑتے ہوئے حالات سے نبرد آزما ہو کر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنا پڑے گا اور یہ ناممکن نہیں۔ یہ منزل صرف اس طرح حاصل کی جاسکتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ طے کرلے کہ کم از کم اپنے دائرۂ اختیار میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ البتہ اس کے لئے بڑی عزیمت درکار ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے عزیمت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اگر چند روزہ زندگی کی بہار کے لئے عزیمت کا مظاہرہ کرسکتے ہیں تو سوچئے کہ اُس زندگی کی بہتری کے لئے جو ابدالآباد تک قائم رہنے والی ہے' عزیمت کا مظاہرہ نہیں کرسکتے؟ آیئے ہم آج عہد کریں کہ سب سے پہلے ہم اپنے نفسِ امارہ کے خلاف نہی عن المنکر کا علم بلند کریں گے۔ ہم اس کی کسی بھی برائی کی ترغیب کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔ جب تک ہم یہ نہیں کریں گے' ہم اپنے گھر والوں کو اس کی چال سے نہیں بچاسکیں گے۔ اس کے بعد ہم اپنے افرادِ خانہ اور حلقہ احباب میں موجود برائیوں کو اپنا ہدف بنائیں گے اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ انہیں اس پر آمادہ کریں گے کہ وہ اپنے نفس کے حملوں سے ہوشیار رہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ "ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" والا معاملہ ہے لیکن صبر اور نماز کی مدد سے ہم اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن نماز کو اس طرح پڑھنے کے لئے کہ اس کا حق ادا ہو جائے ہمیں قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرنی پڑے گی۔ قرآن کو محض ایک الہامی اور مقدس کتاب ہی نہیں بلکہ اسے اپنا ہادی و رہنما بنانا پڑے گا۔ اس کی تلاوت اس کے احکامات کی پیروی کی نیت سے کرنی ہوگی۔ اس کا فہم حاصل کرنا پڑے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم کے پیغام کو عام کرنا پڑے گا۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو معاشرے میں برائیوں کے خاتمہ کے لئے راہ ہموار ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فکر و عمل کو درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ OO

(مرسلہ : محمد سمیع' کراچی)

"شاکلہ"

نجیب صدیقی

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ○ (الاسراء:۸۴)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے' ہر ایک اپنی شاکلہ پر عمل کرتا ہے۔ پھر تیرا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون سیدھی راہ پر ہے"۔

شاکلہ شکل کو کہتے ہیں' اس "پیٹرن" کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے تصور' اپنی سوچ اور اپنی فکر کے نتیجے میں بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کا شاکلہ مختلف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہن کو کچھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ خود سوچتا ہے اور فیصلے کرتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اجی میں تو سوچتا ہی نہیں' وہ بھی سوچتے ہیں۔ وہ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی سوچ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ انسان کی سوچ میں تغیر آتا رہتا ہے۔ وہ ماحول سے بھی اخذ کرتا ہے۔ تجربہ بھی اسے سکھاتا ہے۔ بعض سچائیاں اسے مجبور کرتی ہیں۔ بعض حادثات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح سوچ کے ساتھ اس کا شاکلہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ یہ تغیر و تبدل ہر آن جاری ہے۔ یہ معاملہ بھی ایسا ہی ہے جس پر انسان کو قدرت نہیں۔ وہ یہ چاہے کہ میں نہ سوچوں مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہر آن بدلنے والا زمانہ' وقت کی تیز رفتاری اور خود اس کے اپنے اندر ہر آن تبدیلی' اس کے خیالات کو ادلنے بدلنے پر مجبور کرتی ہے۔

ثبات اِک تغیر کو ہے زمانے میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

ہر انسان ایک شاکلہ بناتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے اور جس کا مشاہدہ ہم دن رات اپنے اندر اور باہر کر رہے ہیں۔ اکثر گفتگو میں آپ سنتے ہوں گے کہ ہماری زندگی کا "ایم" (aim) یہ ہے' ہماری زندگی کا صل ہدف

یہ ہے' میں نے تو یہ طے کر رکھا ہے کہ تعلیم حاصل کروں گا اور ڈاکٹر بنوں گا۔ کسی کو انجینئر بننے کی دھن سوار ہے۔ اسی طرح ہر انسان اپنا آئیڈیل مقرر کرتا ہے اور اس کے حصول کی جدّوجہد میں لگ جاتا ہے۔ یہ "ایم"، "ہدف" یا "آئیڈیل" یہی تو شاکلہ ہے۔ انسان اس شاکلہ میں رنگ بھرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک دن قدرت اسے اس کے شاکلہ سمیت اپنے پاس بلا لیتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ﴾ "اور حاصل کر لیا جائے گا جو کچھ ان کے سینوں میں ہے"۔ اور وہ یہی شاکلہ ہے جو اس کے سینے میں سے حاصل کر لیا گیا۔

یہ تو تھا ہمارا اپنا بنایا ہوا شاکلہ' ہمارا اپنا آئیڈیل' مگر قرآن مجید نے کیا شاکلہ دیا ہے' آیئے ذرا اس پر غور کریں۔ جس رب نے ہمیں پیدا کیا اس سے یہ بعید تر بات تھی کہ وہ ہمیں کوئی شاکلہ دیئے بغیر دنیا میں بھیج دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جزا و سزا عدل کے خلاف تھی۔ لہٰذا اس نے نوعِ انسانی کو دنیا میں بھیجنے کے ساتھ اس کی ہدایت کا بندوبست کیا۔ گویا کہ اس نے حیات کے ساتھ ایک شاکلہ بھی مرحمت فرمایا۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ یعنی "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا"۔ دوسرے مقامات پر وہ پیدائش کے مختلف مراحل بیان کرتا ہے تاکہ تمہاری اصل حقیقت تمہارے سامنے رہے۔۔۔۔ پھر وہ کہتا ہے کہ تم محتاج تھے' ہم نے تمہاری احتیاج دور کی' تم ہدایت کے متلاشی تھے' ہم نے وہ ہدایت بھی عطا کی۔ ہدایت کے دو پہلو یا دو رخ ہو سکتے ہیں' ایک نظری ہدایت اور دوسری عملی ہدایت۔ نظری ہدایت میں اصول و قوانین' حدود' عقیدہ جس میں توحید' آخرت وغیرہ تمام تفصیلات ہیں۔ دوسری عملی ہدایت' جس میں بندگی کے اظہار کی شکل' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد' قتال' معاملات' صلح و جنگ' بیع و شراء وغیرہ ہے۔ گویا ایک اسکیچ ہے' جس میں رنگ بھرا گیا ہے۔ قرآن مجید کا یہ شاکلہ ہے۔

اگر ہدایت کے لئے صرف کتاب نازل ہو جاتی تو اگرچہ یہ بھی کافی ہوتی اور نوع انسانی پر حجت بن سکتی تھی مگر انسانوں کے پاس ایک اعتراض ہوتا کہ اس پر ہم کس طرح عمل کر سکتے تھے۔ ہمیں تو کسی نے عمل کر کے دکھایا ہی نہیں۔ اس ہونے والے اعتراض کا

جواب پہلے ہی دے دیا گیا۔ انسانوں میں ہی سے حضرات انبیاء کرام آتے رہے اور ہدایت پر عمل کر کے دکھاتے رہے تاکہ نوع انسانی پر حجت کی تکمیل ہو سکے۔ دنیا کے لئے آخری ہدایت کے ساتھ آخری پیغمبر بھی انسانوں ہی میں سے مبعوث کیا گیا۔ آپؐ نے وحی سے جو نظری ہدایت حاصل کی اسے عملی شکل اختیار کر کے دکھایا۔ گویا کہ آپ نے نظری "اسکیچ" میں عملی ہدایت کا رنگ بھر کر ایک مکمل شاکلہ تیار کر دیا۔ یہی وہ شاکلہ ہے جس کے اتباع کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ اگر ہمارا شاکلہ اس شاکلہ کے مشابہ ہے تو گویا کہ ہم نے قرآن مجید کے حکم کی اتباع کی۔ اور جہاں جہاں مشابہت میں فرق آئے گا وہاں شاکلہ بھی بدل جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ امتحانی کمرہ میں آپ کو تصویر بنانے کے لئے کہا جائے اور وہ تصویر سامنے بورڈ پر بنی ہوئی ہو تو ویسی ہی تصویر آپ کو بنانی ہے' کل نمبر ۱۰۰ ہیں۔ اب اگر آپ نے اس تصویر کے مطابق تصویر بنائی پھر تو آپ کو نمبر ملیں گے ورنہ آپ فیل کر دیئے جائیں گے۔ تصویر اگر درخت کی ہے اور آپ نے کسی جانور کی بنا دی تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کو کتنے نمبر ملیں گے۔ تصویر میں اگر سبز رنگ بھرا ہوا ہے اور آپ نے سرخ بھر دیا تو آپ کو سمجھنے میں دقت نہیں ہونی چاہئے کہ آپ کامیاب قرار پاتے ہیں یا ناکام ---- نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی اور اس کا ایک ایک لمحہ سیرت میں موجود و محفوظ ہے۔ گویا کہ ایک ایسا شاکلہ ہے جس کا ایک ایک جزو واضح ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں۔ اس کا رنگ کہیں سے دھندلا نہیں۔ اس اسکیچ کی ایک ایک لکیر روشن ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اپنا شاکلہ اس تصویر کے مطابق بنائیں ---- لیکن کیا ایسا ہے؟

ہم اپنی سوچ کے مطابق اپنا شاکلہ بناتے ہیں۔ ہمارا نفس جس طرح کہتا ہے اس طرح کا رنگ اس میں بھرتے ہیں۔ معاشرے کا چلن جس طرح ہوا سی کے خد و خال نمایاں کرتے ہیں۔ پھر سمجھتے ہیں کہ امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ محض اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ ایک اور ستم یہ ہوتا ہے کہ ہم نے جو شاکلہ بنایا ہے جس میں ہماری خواہشاتِ نفس کا بھرپور رنگ بھرا ہوا ہے' اس شاکلہ کو ہم نبی اکرم ﷺ کے شاکلہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ دوہرا ظلم ہے۔ ایک طرف اس کی سرحد بہتان سے جا ملتی ہے تو دوسری طرف فریب سے۔ ہمیں اس کا شعور جتنی جلد ہو جائے یہ ہمارے لئے بہتر ہے۔ ○○

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS

NTN BEARINGS

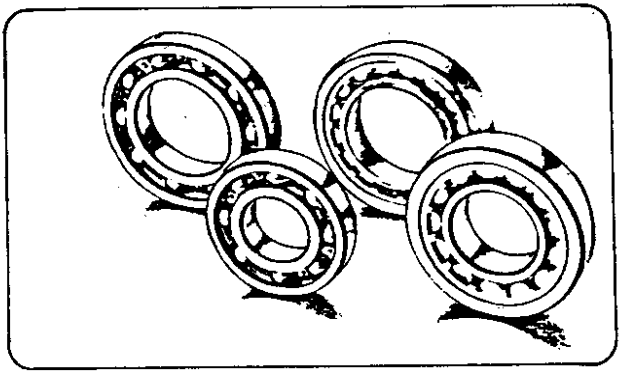

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg No L. 7360
Vol. 45 No.1
Jan. 1996

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوھر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوھرجوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھرجوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوھرجوشاندہ
استعمال کریں۔

قرشی

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج